وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا ترجمان

ماہنامہ

وفاق المدارس

ملتان

جلد نمبر ۲۰ شمارہ نمبر ۷ رجب المرجب ۱۴۴۴ھ فروری ۲۰۲۳ء

سرپرست

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم
صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

شیخ الحدیث حضرت مولانا انوار الحق حقانی مدظلہم
سینئر نائب صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

مدیر اعلیٰ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہم
ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

مدیر

مولانا محمد احمد حافظ

بیاد

شمس العلماء
حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ

استاذ العلماء
حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ

محدث العصر
حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

مفکر اسلام
حضرت مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ

جامع المعقول والمنقول
حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

رئیس المحدثین
حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ

استاذ المحدثین
حضرت مولانا عبدالرزاق اسکندر رحمۃ اللہ علیہ

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ

وفاق المدارس العربیہ پاکستان گارڈن ٹاؤن شیر شاہ روڈ ملتان

فون نمبر 27-6514526-6514525-061 فیکس نمبر 061-6539485
Email:wifaqulmadaris@gmial.com web:www.wifaqulmadaris.org

ناشر: حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری ◉ مطبع: اقرا اختر پرنٹنگ پریس پرانی غلہ منڈی بوہڑ گیٹ ملتان
شائع کردہ مرکزی دفتر وفاق المدارس العربیہ گارڈن ٹاؤن شیر شاہ روڈ ملتان

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین

مسابقاتِ حفظ و تجوید کا انعقاد	شیخ الحدیث مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہم	۳
مغربیت......دورِ حاضر کا سب سے بڑا فتنہ	شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم	٦
علماءِ امت سے کچھ خاص خاص باتیں	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ	۱۴
روحانی بیماریوں کا علاج	شیخ الحدیث حضرۃ مولانا عبیداللہ خالد	۲۰
فنِ اسماء الرجال	شیخ الحدیث مولانا عبدالقیوم حقانی	۲۷
علامہ زیلعی کی کتاب نصب الرایۃ	مولانا مفتی ابوالخیر عارف محمود گلگتی کشمیری	۳۲
تخریج اور متعلقاتِ تخریج	مولانا گل فراز احمد	۴۰
طلباء کرام چھٹیاں کیسے گزاریں	حافظ محمد اقبال بن شیر محمد	۴۷
دینی مدارس کے طلبہ نسبتاً سنجیدہ کیوں ہیں؟	جناب آصف محمود	۵۳
ایک گمنام مردِ قلندر......مولانا انوار الاسلام	حافظ احمد مہدی	۵٦
تبصرہ کتب	محمد احمد حافظ	٦۱

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

سالانہ بدل اشتراک

بیرون ملک امریکہ، آسٹریلیا، جنوبی افریقہ اور یورپی ممالک ۳۰ ڈالر۔ سعودی عرب، انڈیا اور متحدہ امارات وغیرہ ۲۳ ڈالر۔ ایران، بنگلہ دیش ۲۰ ڈالر۔

اندرون ملک قیمت: فی شمارہ: 40 روپے، زرسالانہ مع ڈاک خرچ: 500 روپے

مدیراعلیٰ کے قلم سے

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے زیراہتمام

مسابقاتِ حفظ وتجوید کا انعقاد......ایک تاریخ ساز فیصلہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہم
ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

اللہ ربّ العزت کے فضل وکرم سے ''وفاق المدارس العربیہ پاکستان'' کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وفاق المدارس سے ملحقہ مدارس وجامعات سے ہر سال دنیا میں سب سے زیادہ تعداد میں خوش قسمت بچے اور بچیاں حفظ قرآن کریم کی سعادت حاصل کرتے ہیں-صرف اس سال کے دوران حفظ قرآن کریم مکمل کرکے سالانہ فائنل امتحان میں شریک ہونے والے خوش قسمت حفاظ کی تعداد ایک لاکھ کے قریب ہے۔یہ دنیا کے کسی بھی ملک میں حفظ قرآن کریم کی سعادت حاصل کرنے والے خوش نصیب لوگوں کی تعداد سے زیادہ تعداد ہے،یہی وجہ ہے کہ ''وفاق المدارس العربیہ پاکستان'' کو عالم اسلام کے معروف،نمائندہ اور عالمی ادارے رابطہ العالم الاسلامی کی طرف سے دنیا میں سب سے زیادہ حفاظ تیار کرنے پر خصوصی ایوارڈ سے نوازا گیا-یہ صرف وفاق المدارس کے لیے ہی نہیں بلکہ وطن عزیز پاکستان اور پوری قوم کے لیے بڑے اعزاز اور شرف کی بات ہے کہ اللہ رب العزت نے قرآن کریم کی خدمت کے حوالے سے پاکستان کو پوری دنیا میں پہلے نمبر پر رکھا ہے۔

ہم جتنے سروے اور وقتا فوقتاً جاری ہونے والی فہرستیں دیکھتے ہیں جن میں تعلیم وتربیت ہو یا سائنس وٹیکنالوجی،تعمیر وترقی ہو یا کوئی اور مثبت کام؛پاکستان کا نام ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتا،لیکن الحمدللہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے ذریعے اللہ ربّ العزت نے پاکستان کو وہ اعزاز عطا فرمایا ہے جس کی کوئی نظیر اور مثال نہیں ملتی-ہمیں دنیا کے مختلف ممالک اور علاقوں میں جانا ہوتا ہے یہ دیکھ کر دل باغ باغ ہو جاتا ہے کہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان سے وابستہ مدارس سے فیض حاصل کرنے والے دنیا کے کونے کونے میں علم کی شمعیں فروزاں کیے بیٹھے ہیں اور قرآن کریم کی گرانقدر خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔اور تو اور حرمین شریفین اور مسجد قبا میں امامت کا اعزاز ہو یا ائمہ حرمین کے اساتذہ کرام کی فہرست ہو اللہ ربّ العزت کے فضل وکرم سے ایک پاکستانی ہونے کے ناطے انسان کا سر فخر سے بلند ہو جاتا ہے-

حفظ قرآن کریم کے اس سلسلے میں بہتری،حفاظ قرآن کی حوصلہ افزائی اور اس شعبے میں موجود ٹیلنٹ کو سامنے

لانے کے لیے وفاق المدارس کی طرف سے وقتاً فوقتاً مختلف قسم کی سرگرمیاں اور سلسلے جاری رہتے ہیں۔اس سال کے دوران حفظ قرآن کریم مع تجوید کے مقابلوں کا اعلان کیا گیا ان مقابلوں میں شرکت کے لیے عمر کی حد سولہ سال رکھی گئی تھی،الحمدللہ ملک بھر سے تین ہزار سے زائد خوش نصیب بچوں نے ان مقابلوں میں حصہ لیا۔

حفظ قرآن کریم کے یہ مسابقات تین مرحلوں میں ہوئے،پہلے مرحلے میں ڈویژنل،دوسرے میں صوبائی اور جلد ان شاء اللہ قومی مسابقہ کا انعقاد ہوگا- وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے صدر حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ،راقم الحروف سمیت ہمارے جملہ ذمہ داران،عہدیداران،صوبائی ناظمین اور ضلعی مسوؤلین نے ان مقابلوں کے کامیاب اور منظّم انعقاد کے لیے گرانقدر خدمات سرانجام دیں،خاص طور پر مسابقات کمیٹی کے اراکین جن کی سربراہی حضرت مولانا احمد میاں تھانوی صاحب دامت برکاتہم کر رہے تھے،ان کے ساتھ ادارۃ المعارف کراچی کے مولانا قاری عبدالوحید صاحب اور دیگر رفقاء کی ایک پوری ٹیم تھی- چونکہ مولانا قاری احمد میاں تھانوی صاحب عالمی سطح کے مقابلوں میں بطور جج شریک ہوتے رہے اور مولانا قاری عبدالوحید صاحب سمیت دیگر رفقاء کو ملکی اور مقامی مقابلوں کے انعقاد کا وسیع تجربہ ہے،اکابر کی سرپرستی،وفاق المدارس کا وسیع نیٹ ورک،اہل مدارس کا خلوص،ذوق وشوق اور طلبہ میں موجود خداداد صلاحیتوں کی وجہ سے وفاق المدارس کے زیراہتمام منعقد ہونے والے ان مقابلوں کے انعقاد کا پورا عمل اتنا مثالی،منظّم،شفاف اور منفرد رہا کہ سبحان اللہ!۔

سب سے پہلے عالمی معیار کے مقابلوں کی روشنی میں سوالات مرتب کیے گئے ان کا پرنٹ نکال کر انہیں سیل بند لفافوں میں بند کیا گیا پھر مقابلے میں شریک ہر ایک خوش نصیب طالبعلم کو ایک سیریل نمبر الاٹ کیا گیا،کسی بھی شریک کو اسٹیج پر بلاتے ہوئے نہ تو اس کا نام پکارا جاتا تھا اور نہ ہی اس کے مدرسہ کا نام تاکہ جج کو بالکل بھی اندازہ نہ ہو کہ کون طالبعلم ہے اور کس ادارے سے تعلق رکھتا ہے،یوں کسی قسم کی جانبداری،اقرباپروری یا لحاظ ومروت کا امکان بھی ختم کر دیا گیا-

خدمت قرآن کریم کے حوالے سے شہرت رکھنے والے ایسے جج کا انتخاب کیا گیا جن کے نام اور شخصیت خود ایک معیار اور اعتبار کا عنوان سمجھا جاتا ہے-

اس اہتمام اور حسن انتظام سے منعقد ہونے والے مقابلوں کی دفتر وفاق المدارس کی طرف سے مسلسل نگرانی کی جاتی رہی،وفاق المدارس کے میڈیا سنٹرز کے ذمہ داران نے بھرپور کوریج کا اہتمام کیا۔مختلف مقابلوں میں زندگی کے کئی شعبوں سے تعلق رکھنے والی شخصیات نے شرکت کی اور مدارس کے معیار تعلیم،نظام تعلیم اور مقابلوں کے شفاف سسٹم کو سراہا-

جب سے وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے زیراہتمام ان مقابلوں کا سلسلہ شروع ہوا تب سے پورے ملک میں بیداری اور ذوق وشوق کی ایک لہر دیکھنے کو مل رہی ہے- مقابلوں کے اس سلسلے کی برکت سے بہت سے باصلاحیت طلبہ سامنے آئے ایسے ایسے ہیرے کہ جن کی تابانی دیکھ کر انسان بار بار سبحان اللہ پکار اٹھتا ہے......رہ رہ کر خیال آتا کہ......

''ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں تھی؟''

یادرہے کہ عالمی سطح پر سعودیہ، قطر، کویت، امارات اور دنیا کے دیگر ممالک میں حفظ قرآن کے حوالے سے سرکاری سطح پر عالمی مقابلوں کا انعقاد ہوتا ہے جن میں بہت قیمتی اور پرکشش انعامات جو کروڑوں روپے مالیت کے ہوتے ہیں وہ جیتنے والے خوش نصیب حفاظ کی خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں- حاملین قرآن کریم کا خوب اکرام کیا جاتا ہے، شاہی اعزازات اور پروٹوکول سے نوازا جاتا ہے لیکن ہمارے ہاں بدقسمتی سے ایسے ایسے لوگوں اور طبقات کو پروموٹ کیا جاتا ہے؛ میڈلز اور اعزازات سے نوازا جاتا ہے جن کا اس تحریر میں تذکرہ بھی مناسب نہیں......اور قرآن والوں، دینی تعلیم کے میدان میں موجود صلاحیتوں کا نہ اعتراف کیا جاتا ہے نہ قدر ہوتی ہے اور نہ ہی ان کو کسی قسم کی سہولیات مہیا کی جاتی ہیں-

ہمیں اللہ ربّ العزت کی رحمت سے امید ہے کہ مقابلوں کے اس انعقاد سے لوگوں کا مزید قرآن کریم کی طرف ذوق وشوق بڑھے گا......حفاظ کرام کی قدر ومنزلت میں اضافہ ہوگا، ٹیلنٹ ابھر کر سامنے آئے گا، عالمی مقابلوں میں شرکت کا رجحان بڑھے گا، حفظ قرآن کریم کے درس وتدریس کے عمل میں بہتری آئے گی، صرف طلبہ ہی نہیں بلکہ دینی مدارس کے مابین بھی مقابلے کی فضا بنے گی؛ اور ہر سال ان مقابلوں میں حصہ لینے والوں کی تعداد میں بھی خوب اضافہ ہوگا-

اس وقت تک اگر کوئی ان مقابلوں کی کسی تقریب میں شریک نہیں ہوسکا تو وہ قومی مسابقہ میں ضرور شرکت کا اہتمام کریں اور قرآن کریم سے اپنی محبت اور وابستگی کا ثبوت دیں۔

اللہ رب العزت وفاق المدارس العربیہ پاکستان سے ملحقہ مدارس وجامعات، اساتذہ وطلبہ، خدمت وتعاون کرنے والے احباب اور وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے ذمہ داران وعہدیداران بالخصوص مسابقہ کمیٹی کے اراکین کی مساعی جمیلہ کو شرف قبولیت عطا فرمائیں اور اس سلسلے کو ملک وملت کے لیے خیر وبرکت کا ذریعہ بنادیں......آمین۔

☆......☆......☆

مغربیت......دورحاضر کا سب سے بڑا فتنہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ

ترتیب: مولانا راشد حسین

۲۹؍ذی قعدہ ۱۴۴۳ھ (۲۹ جون ۲۰۲۲ء) کو شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے دارالعلوم کراچی کے شعبہ ''تخصص فی الدعوۃ والارشاد'' کے طلبہ سے ''مغربیت۔دورِحاضر کا سب سے بڑا فتنہ'' کے موضوع پر فکرانگیز خطاب فرمایا جو اپنے مندرجات کے اعتبار سے نہایت اہمیت کا حامل ہے، ہدیۂ قارئین ہے۔(ادارہ)

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم وعلی الہ واصحابہ اجمعین امابعد۔

الحمدللہ! آپ حضرات کے یہ تاثرات سے، اس سے الحمدللہ بڑا اطمینان بھی ہوا، خوشی بھی ہوئی۔ جب ہم اس تخصص کا اجراء کررہے تھے تو اس وقت ہمیں یہ اندازہ نہیں تھا کہ یہ کتنا مفید ہوگا؟ اگرچہ جب ہم نے اس کے لیے موضوعات تجویز کیے اور اس کا نصاب بنایا تو اپنی دانست میں یہ سوچ کر بنایا کہ دورہ حدیث سے جو طلبہ فارغ ہوتے ہیں اور درسِ نظامی کی تکمیل کرلیتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے دین کی بنیادی تعلیمات تو پوری طرح اس میں آجاتی ہیں اور ہمارا آخری ملجا و ماویٰ یہی ہیں جو فقہ، عقائد، تفسیر اور حدیث ہم پڑھتے ہیں، یہی سارے علوم کی بنیادیں ہیں۔لیکن ہر زمانے کے کچھ تقاضے ہوتے ہیں اور ان تقاضوں کے مطابق ایک داعی کا فریضہ ہے کہ وہ اپنے زمانے کے حالات سے پوری طرح باخبر ہوکر دین کی دعوت کا فریضہ انجام دے تو اس لحاظ سے ہم نے یہ نصاب مرتب کیا تھا کہ درسِ نظامی کی تکمیل کرنے کے بعد اپنے ساتھیوں کو اس بات کا اہل بنایا جائے کہ وہ دورِ جدید میں پھیلے ہوئے مسائل کو نہ صرف سمجھیں بلکہ جن لوگوں کو ان مسائل نے ذہنی طور پر اسلام سے یا اہلِ علم سے دور کیا ہوا ہے، ان کو قریب لانے کی ان میں صلاحیت پیدا ہو، یہی اس تخصص کا بنیادی مقصد ہے۔

فتنہ مغربیت اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ:

اس وقت ہر طرف فتنوں کی بھرمار ہے۔یعنی صورت حال وہ ہے جو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی تھی کہ ''تقع الفتن في بيوتكم كو قع المطر ''یعنی بارش کے قطروں کی طرح تمہارے اوپر فتنوں کی بارش ہوگی۔ یہ وہی زمانہ ہے لیکن اس میں ایک فتنہ ایسا ہے جو بہت سے فتنوں کی جڑ ہے اور وہ ہے مغربیت کا فتنہ، یعنی

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

ذہنوں پر یہ بٹھا دیا گیا ہے کہ مغرب ہی بہتر ہے،فکری اعتبار سے بھی اور عملی اعتبار سے بھی اس کی برتری ذہنوں پر اس طرح بٹھا دی گئی ہے کہ جو چیز مغرب سے آئے گی، اس کو تو مستند سمجھا جائے گا اور جو چیز مغرب سے نہیں آئے گی، اس کو مستند نہیں سمجھا جائے گا۔

یہ تصور کس طرح پھیلایا گیا؟ آپ لوگ جانتے ہیں کہ جب لارڈ میکالے نے استعمار کے دور میں یہ نظامِ تعلیم جاری کیا تو اس کا بنیادی مقصد یہ تھا اور یہ مقصد اس نے صاف صاف بتا دیا تھا، کچھ پوشیدہ نہیں رکھا کہ اس نظام تعلیم سے ایسے لوگ پیدا ہوں کہ چمڑی جن کی ہندوستانی ہو اور ذہن ان کا انگریزی ہو۔ یہ جو موجودہ نظام تعلیم ہم پر مسلط ہے، وہ معمولی تبدیلیوں سے قطع نظر ابھی تک اسی نہج پر چلا آرہا ہے، اس کی وجہ سے اب تک مغرب کی غلامی ہمارے معاشرے کے اوپر بلکہ پوری امت کے اوپر چھائی ہوئی ہے اور اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جو ہمارے اپنے علوم ہیں یا ہمارے اپنے عقائد ہیں ان علوم اور عقائد کو ایک رجعت پسندانہ اور پرانے زمانے کی باتیں سمجھ کر آج کل کے نوتعلیم یافتہ لوگ کسی طرح چار و ناچار قبول تو کر لیتے ہیں کیونکہ مسلمان رہنا ہے، مسلمان معاشرے میں پیدا ہوئے ہیں لہٰذا ایک طرح سے مجبور ہیں کہ اپنے آپ کو مسلمان رکھیں، نماز کا انکار نہ کریں، پڑھیں یا نہ پڑھیں، روزے کا انکار نہ کریں، رکھیں یا نہ رکھیں، تو کم از کم اس معاشرے سے کسی نہ کسی طرح اپنا کنڈا جوڑنے کی حد تک اپنے آپ کو مسلمان تو ضرور سمجھتے ہیں لیکن اکثریت اس نظام کے پڑھے ہوئے لوگوں کی ایسی ہے کہ جو دل کی دنیا سے اسلام کے احکام اور اسلام کی تعلیمات کو قبول نہیں کرتے۔

امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ کا عجیب جملہ:

میں نے اپنے والد ماجدؒ سے حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ کا ایک جملہ سنا کہ حضرت امام العصر حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ یہ فرمایا کرتے تھے کہ: ”آج کل کے جو نوتعلیم یافتہ لوگ ہیں ان کو ہم اس بنا پر مسلمان کہتے ہیں کہ ہمیں ان کا کفر معلوم نہیں“...... یہ بڑا عجیب جملہ ہے۔

صورتحال یہ ہے کہ نوتعلیم یافتہ طبقہ چار و ناچار اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے۔ اگر عقیدہ کی بات پوچھو تو کہہ دیں گے ہاں آخرت کے اوپر ایمان ہے لیکن ایمان ایسا ہے کہ ایک مرتبہ میں جہاز میں جا رہا تھا تو ایک صاحب میرے برابر میں بیٹھے ہوئے تھے وہ کہنے لگے کہ مولانا! میں مسلمان ہوں لیکن یہ بتاؤ کہ کیا واقعی آخرت کوئی چیز ہے؟ کیا ایسا ہوگا؟ کیا مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہوں گے؟ اور کوئی ہمارا حساب کتاب ہوگا؟ اس بیچارے نے اپنی زبان سے پوچھ لیا ورنہ بیشتر کی حالت یہ ہے کہ وہ پوچھتے بھی نہیں اور پوچھنے سے بھی شرماتے ہیں۔ اب پتا نہیں دل میں کیا کیا شکوک و شبہات لیے بیٹھے ہیں؟ بلکہ ایک طرح سے احساس کمتری لیے بیٹھے ہیں کہ بھئی ہم تو ڈاگمیٹک (Dogmatic)

لوگ ہیں یعنی یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جو عقیدہ ہم نے بنالیا ہے بغیر سوچے سمجھے اسی کو لے کر بیٹھ گئے، چاہے وہ عقل کے مطابق ہو یا نہ ہو، چاہے وہ موجودہ دور میں قابل عمل ہو یا نہ ہو، ہم تو ویسے بیٹھے ہوئے ہیں، اصل ترقی تو مغرب میں ہورہی ہے، تو اس فتنہ کی وجہ سے جب اسلام کے اندر کچھ پیوند لگانے یا اسلام کو کچھ توڑنے مروڑنے کی نئی فکر مغرب سے آتی ہے، تو یہ مرعوب طبقہ سب سے پہلے اس پر لبیک کہتا ہے، اس واسطے کہتا ہے کہ اس کے دل میں ایک ہیجان برپا ہے کہ وہ ایک طرف نام کا مسلمان بھی رہنا چاہتا ہے اور اپنے آپ کو کسی نہ کسی طرح امت سے جوڑے بھی رکھنا چاہتا ہے، دوسری طرف اسلام کے عقائد اور تعلیمات کو اس کا ذہن قبول نہیں کرتا۔ اسی وجہ سے جب بھی کوئی پرویز صاحب اٹھ جائے اور کہے کہ ہم حدیث کو نہیں مانتے تو اس طبقہ نے کہا کہ بڑی بہترین بات ہے، اس لیے بہت سے ظاہراً تو مسلمان رہے لیکن حدیث کی روایتوں سے منکر ہو گئے۔ کوئی دوسرا آتا ہے تو کہتا ہے حدیث تو ٹھیک ہے لیکن ہم اپنی عقل سے بھی غور کریں گے اور عقل سے غور کر کے حدیث کا فیصلہ کریں گے حدیث صحیح ہے کہ نہیں ہے، یہ سند تو ایسے ہی فضول کی چیز ہے بلکہ اس پر تاریخی تنقید (Historic Criticism) بھی کرنی چاہیے۔ غرض طرح طرح کے بہانے ہیں اور یہ سارے بہانے اس وجہ سے ہوتے ہیں کہ اندر سے دل مطمئن نہیں اور مطمئن اس لیے نہیں ہے کیونکہ دماغ پر مغرب کی بالادستی کا ایک ہوّا سوار ہے۔

مغرب کی ٹیکنالوجی میں برتری کا اثر:

اس ہوّے کی ایک بڑی وجہ مغرب کی ٹیکنالوجی میں برتری ہے؛ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ مغرب نے اس دوران جو مادی ترقی کی ہے اور ٹیکنالوجی میں جو اس نے برتری حاصل کی ہے وہ ایسی ہے کہ ہر انسان اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے، ہم آج یہاں بیٹھے ہیں، تو ہم نے اپنے ہاتھ میں جو یہ گھڑی پہنی ہوئی ہے، یہ ٹیلی فون جو ہمارے سامنے رکھا ہے اور یہ ریکارڈر جو ہمارے سامنے رکھا ہے یہ سب چیزیں کہاں سے آئیں؟ مغرب سے آئیں۔

اس وقت ہماری جتنی بھی زندگی کی ضروریات ہیں، وہ ساری مغرب پر موقوف ہیں، جتنی ایجادات ہیں وہاں سے ہوئی ہیں۔ یہ ہم ضرور کہتے ہیں کہ اور صحیح کہتے ہیں کہ اس کا آغاز تو مسلمانوں نے کیا تھا اور مسلمانوں نے وہ اصول و قواعد دیے تھے جن کی پیروی کر کے یہ ایجادات کی گئیں لیکن ان قواعد اور اصولوں سے فائدہ اٹھانے والے تو یہی ہیں، ہم نے ان سے فائدہ نہیں اٹھایا، انہوں نے فائدہ اٹھالیا، ہمیں کہیں سفر کرنا ہو تو ان کی ایجادات کی ضرورت ہے، چاہے وہ موٹر سائیکل کیوں نہ ہو، چاہے وہ کار کیوں نہ ہو، چاہے وہ ریل کیوں نہ ہو چاہے وہ ہوائی جہاز کیوں نہ ہو، سب انہی کی ایجادات ہیں، اور آج ٹیکنالوجی کو کہاں سے کہاں پہنچانے والے یہی ہیں اور ہم ٹیکنالوجی کے

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

میدان میں صفر ہیں۔ ہمارے ملک کے صوبے بلوچستان، ریکوڈک، میں سونا موجود ہے، لیکن ہم خود اس سونے کو نکالنے پر قادر نہیں ہیں۔ مغرب ہی کی کسی کمپنی سے معاہدہ کرنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ تم آ کے نکالو اور آدھا تمہارا ہوگا اور آدھا ہمارا ہوگا۔

بے شک مغرب نے اس میدان کے اندر جو ترقی کی ہے وہ بحیثیتِ مجموعی قابل تعریف ہے لیکن بات یہاں سے بگڑتی ہے کہ اگر کوئی شخص ٹیکنالوجی میں ماہر ہے تو کیا میٹا فزکس (مابعدالطبیعات) میں بھی وہ اتنا ہی ماہر ہوگا؟ یہاں سے لائن بدلتی ہے کہ یہ سب چیزیں جو ہیں ان کا تعلق کہاں سے ہے؟ یہ جو چیزیں پیدا ہورہی ہیں یا نئی سے نئی ایجادات ہورہی ہیں ان کا تعلق کہاں سے ہے؟ مادہ سے ہے، لیکن مادے کے ماوراء بھی کوئی چیز ہے؟ مادہ کے اس پار بھی کوئی جہاں ہے جس کو ہمارے قدیم فلسفہ کی اصطلاح میں ماوراءالطبیعات کہتے ہیں اور آج اس کو میٹا فزکس کہا جاتا ہے۔ یہ جو ایک تصور پیدا ہوتا ہے کہ جب ایک شخص کسی ایک چیز میں بہت اونچے مقام پر پہنچ گیا تو پھر وہ ہرفن مولا ہوگیا، پھر ہر چیز میں وہ قابل تقلید ہوگیا۔ اس تصور نے یہ گڑ بڑ پیدا کی ہے کہ چونکہ انہوں نے ٹیکنالوجی (مادیات) میں بہت بڑا مقام حاصل کرلیا ہے لہٰذا میٹا فزکس (روحانیات) میں بھی اسی کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

ایک فن کے ماہر کو ہرفن مولا سمجھنا:

یعنی غلطی یہاں سے لگی کہ ایک فن کے ماہر کو ہرفن کا ماہر سمجھا گیا۔ اس بات کو مثال کے ذریعے سمجھا جاسکتا ہے۔ جنوبی افریقہ کے جناب احمد دیدات صاحب نے عیسائیت کے مقابلے میں بہت زبردست کام کیا اور اس میں انہوں نے بہت مہارت حاصل کی اور بہت اونچے درجے تک پہنچے اور پتا نہیں کتنے لوگوں کو مسلمان کیا اور انہی کے طریقے پر ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب ہیں۔ جب عیسائیت کے میدان میں ان کی شہرت ہوئی تو اب دنیا بھی یہ سمجھنے لگی اور خود انہوں نے بھی اس میں کوئی تامل نہیں کیا کہ وہ ہر چیز میں ماہر ہیں کہ جب وہ عیسائیت کے رد میں ماہر ہیں تو فلسفہ میں بھی ہوں گے، پھر حدیث میں بھی ہوں گے، پھر ہر چیز میں ہوں گے۔ یہ ایک مثال نہیں۔ اس طرح کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ یہی معاملہ مغرب کے ساتھ ہوا۔ اس کا اعتراف کرنے میں ہمیں کوئی تامل نہیں ہے کہ ٹیکنالوجی اور سائنس میں انہوں نے بہت اعلیٰ درجے کی ترقی ہے اور اس میں ہماری مہارت ان کی مہارت کے مقابلے میں صفر ہے، لیکن بات یہ ہے کہ اگر ایک کاری گر ہے جو کار بناتا ہے کیا وہ فلسفہ کا بھی ماہر ہوگا؟ کیا وہ مابعدالطبیعات کا بھی ماہر ہوگا؟ کیا اس کے تمام افکار قابلِ تقلید ہوں گے؟ کیوں کہ یہ بہترین کاری گر ہے لہٰذا اس کی ہر بات مانو، جو بات بھی یہ کہے گا وہ صحیح ہے، جس بات کو بھی یہ غلط کہے گا وہ غلط ہے، تو ہم نے یہی معاملہ مغرب کے ساتھ کیا ہوا ہے، ہم

سے میری مراد یہ نظامِ تعلیم ہے کہ جس چیز میں اس نے مہارت واقعتاً حاصل کی ہے اس نظامِ تعلیم نے دماغ میں یہ بٹھا دیا کہ اب جو بھی نظریہ اور جو چیز بھی وہاں سے آئے گی وہی مستند ہوگی، وہی مقبول ہوگی، وہی جدید ترین ہوگی اور عصر جدید کا بہترین تقاضا وہی ہوگا، اس تصور سے سارا معاملہ الٹ گیا۔

اسلام کی روح اور مغرب کے مادہ کے مابین سمجھوتہ:

اب مسلمان کا کام تو یہ تھا کہ وہ کہتا کہ بھائی! تم بڑے اچھے کاریگر ہو، تم نے بڑی اچھی صنعتیں لگائی ہیں، تم نے ایجادات بڑی اچھی کی ہیں، لیکن تم روح کے ماہر نہیں ہو، تم مادے کے ماہر ہو، روح ہمارے پاس ہے اور وہ ہمارے قرآن میں ہے، وہ ہماری حدیث میں ہے، وہ ہمارے علوم میں ہے۔ روح تم ہم سے حاصل کرو، مادہ ہم تم سے حاصل کر لیتے ہیں۔ اگر یہ سمجھوتہ ہو جاتا تو یہ دنیا امن کا گہوارہ بن جاتی لیکن مسلمانوں نے یہ کیا کہ بھائی تم بہت زبردست کاریگر ہو گویا تم ہی قابلِ تقلید ہو، تمہارا لباس بھی قابل تقلید ہے، چاہے وہ ساتر نہ ہو، تمہارا طرزِ زندگی بھی قابلِ تقلید ہے، چاہے وہ ہمارے سنت کے طریقے سے مختلف ہو، تمہارے افکار بھی قابل تقلید ہیں کیونکہ تمہاری سائنس کی بنیاد تمہارے فلسفہ پر ہے اور فلسفہ میں بھی تم برتر و بالا ہو، لہٰذا یہ مولوی ملا جو بات کرتا ہے اس کو نہ دنیا کی خبر ہے، نہ اس کو ٹیکنالوجی کا پتا ہے، نہ اس کو ان جدید افکار کا پتا ہے جو کہ مغرب نے پیدا کیے ہیں، اس واسطے یہ اپنے بسم اللہ کے گنبد میں بیٹھ کر جو سبق پڑھاتا ہے، اسے پڑھانے دو لیکن زندگی کے عام بہاؤ میں اس کا کوئی کردار نہیں، یہ صورت ہماری اس امت میں پیدا ہوگئی۔

احساس کمتری کا شکار مسلمان:

اس لیے اس دور کے فتنوں میں سب سے بڑا فتنہ مغربیت کا فتنہ ہے اور اسی سے بہت سارے شاخسانے پیدا ہوئے یہ وہ شاخسانے ہیں جو الحاد کی طرف لے جا رہے ہیں، جو دہریت (Athesim) کی طرف لے جا رہے ہیں، جو نوجوان پہلے اپنے آپ کو شرما شرما کر مسلمان کہتا تھا اب کھلم کھلا اپنے آپ کو دہریہ (Atheist) کہنے میں باک محسوس نہیں کرتا، ہم اگر لاکھوں افراد! وفاق المدارس سے پیدا کر رہے ہیں تو ان میں سے کتنے ایسے ہیں جو اس مغربیت کے سیلاب پر بند باندھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں؟ کم از کم وہ ذہنی غلام نہ ہوں۔ اب ہم آپس میں بیٹھے ہوئے ہیں، ہم اپنے آپ کو طالب علم کہتے ہیں، علماء کی صف میں شامل سمجھتے ہیں۔ اگر سچ کہا جائے ...... العیاذ باللہ...... تو بہت سے علماء کے اندر بھی مغرب کے مقابلے میں شدید احساس کمتری ہے اور یہ احساس کمتری اندر چھپا ہوا ہے، اس لیے کہ اگر مغربیت زدہ افراد کے ساتھ بات کرنے کا موقع آ جائے، تو ان کی گفتگو احساس کمتری کے

ساتھ ہوگی، آگے بڑھ کر نہیں ہوگی، آپ دیکھیں کہ ہم انگریزی نہیں جانتے یعنی ہمارا طبقہ انگریزی زبان نہیں جانتا لیکن اگر کہیں انگریزی لفظ بولنے کا موقع مل جائے تو انگریزی کا لفظ بھی بولے گا، وہ الفاظ جو انگریزی کے عام ہو گئے ہیں وہ بولے گا تا کہ دوسرے یہ ظاہر ہو کہ میں انگریزی جانتا ہوں۔

پتا نہیں کتنے لوگوں نے مجھے مشورہ دیا ہے کہ آپ نے آسان ترجمہ قرآن لکھا ہے، بریکٹ میں کچھ انگریزی الفاظ لکھ دیتے تو اس سے لوگوں کو پتا چلتا ہے کہ یہ آدمی انگریزی دان ہے اور اس نے قرآن کریم کا ترجمہ کیا ہے۔ تو یہ ایک احساس کمتری ہے۔ ضیاء الحق صاحب مرحوم کے دور میں مجھے جج بنا دیا گیا، میرے نام کے ساتھ جسٹس لکھا جاتا تھا، میں نے وہاں سے نکلنے کے بعد اپنے نام کے ساتھ جسٹس کا لفظ نہیں لکھا، مجھ سے لوگوں نے کہا کہ اپنی کتاب پر تمہیں لکھنے کا حق ہے، جسٹس (ر) محمد تقی عثمانی کیوں نہیں لکھتے؟ میں نے کہہ دیا مجھے پسند نہیں، مجھے تو مفتی کہلانا بھی پسند نہیں، میں صرف محمد تقی عثمانی لکھنا چاہتا ہوں، لیکن کچھ حضرات ایسے ہیں جنہیں جسٹس یا ڈاکٹر کہلانے میں زیادہ فخر محسوس ہوتا ہے، بتاؤ یہ کیا ہے؟ یہ کیا احساس کمتری نہیں ہے کہ ہمیں مولوی لکھنے میں تامل ہوتا ہے، مفتی لکھنے میں تامل ہوتا اور جسٹس لکھنے میں ہم فخر محسوس کرتے ہیں۔

مغربیت کا سیلاب اور ہماری غفلت:

اس مغربیت کے سیلاب نے یہاں تک نوبت پہنچا دی ہے کہ احساس کمتری ہمارے اندر گھس آئی ہے، اس لیے افسوس ہوتا ہے، جو ہمارے مختلف فرقے ہیں، اہل حدیث ہیں، بریلوی حضرات ہیں اور خود دیوبندیوں کے اندر حیاتی مماتی، اور ان کے آپس کے یہ سارے جھگڑے، یہ سب اس سیلاب سے آنکھیں بند کیے بیٹھے ہیں جو ہماری پوری امت کے اوپر حملہ آور ہے، جو نہ دیوبندی کو دیکھے گا، نہ بریلوی کو دیکھے گا، نہ اہل حدیث کو دیکھے گا، نہ حیاتی کو دیکھے گا، نہ مماتی کو دیکھے گا، وہ سب کو اپنی لپیٹ میں لے رہا ہے، لہٰذا دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی اور اس کی ضرورت محسوس ہوئی کہ ہم بڑے پیمانے پر نہ سہی لیکن چھوٹے پیمانے پر کم از کم اپنے طلبہ کو اس مغربیت سے آشنا تو کر دیں، تا کہ ان کو پتا چل جائے کہ مغربیت کے سوتے کہاں سے پھوٹے اور کن چیزوں سے مغربیت کا یہ تصور دنیا پر چھا گیا ہے اور کون سی وہ گمراہیاں ہیں اور گمراہیوں کے کون سے دروازے ہیں جن کے ذریعے مغربیت کا یہ سیلاب ہمارے معاشرے کے اندر اتر آیا ہے۔

شعبہ تخصص فی الدعوۃ والارشاد کے دو اہم مقاصد:

اس لیے ہمارے یہاں اس تخصص فی الدعوۃ والارشاد میں اگرچہ مسلمان فرقوں کا درس بھی شامل ہے، اس کا ایک

وفاق المدارس پاکستان

تاریخی اعتبار سے مطالعہ بھی مفید ہے اور فی نفسہ بھی بہر حال مفید ہے لیکن ہمارا اصل زور جو ہے وہ ایک مثبت دعوت کے اوپر ہے اور دوسرا اگر منفی کام ہے تو وہ مغربیت کے خلاف ہے، مثبت کام ہے، دعوت الی اللہ، یہ اگر صحیح طریقے سے انجام دیا جائے تو باطل خود مٹے گا۔ان شاءاللہ!۔

مثبت دعوت کی تاثیر:

میرے والد ماجد مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ اندھیرے کا علاج یہ نہیں ہے کہ اس کے پیچھے لاٹھی لے کر اندھیرے کو بھگاؤ بلکہ اس کا علاج یہ ہے کہ چراغ روشن کردو کہ ایک چراغ روشن کردوگے تو اندھیرا خود بھاگے گا، چراغ جتنا قوی ہوگا اتنا اندھیرا ختم ہوگا، تو حق ایک نور ہے اور باطل ایک اندھیرا ہے، تو باطل کو ختم کرنے کے لیے دھینگا مشتی کی ضرورت نہیں ہے بلکہ حق کے نور کا چراغ جلانے کی ضرورت ہے، اس لیے مثبت دعوت جہاں پر بھی ہوتی ہے، آپ دیکھیں گے کہ تردید کے مقابلے میں کہیں زیادہ موثر ہوتی ہے، تبلیغی جماعت کو آپ دیکھ لیجیے حالانکہ تبلیغی جماعت میں نفی کا کوئی تصور نہیں ہے، صرف چھ نمبر ہیں اور چھ کے چھ مثبت ہیں، وہ نہ آپ سے یہ کہتے ہیں ڈاڑھی رکھو، نہ آپ سے یہ کہتے ہیں کہ پینٹ شرٹ اتاردو، نہ یہ کہتے ہیں کہ شرعی لباس پہنو، لیکن چھ نمبر جب بندوں کے دل میں اتر جاتے ہیں، تو پھر وہ خود دوسری چیزیں اتار کر پھینک دیتے ہیں، یہ مثبت دعوت کا اثر ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ دو باتیں مقصود ہیں، ایک مثبت دعوت اور دوسرے جو سب سے بڑا فتنہ ہے یعنی مغربیت، اس کی نفی اور تردید، اسی کے لیے ہمیں ضرورت پیش آتی ہے کہ عیسائیوں کی بھی بات کریں کہ کیا کہہ رہے ہیں اور یہودی مذہب دیکھیں کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور اسی طرح ہندوؤں کے مذہب کو بھی دیکھیں، آج ہندوؤں کی طرف سے جو ہندوستان میں ایک مصیبت برپا ہے، تو کم از کم معلوم تو ہو کہ وہ مذہب ہے کیا؟ اسی طریقے سے مغربیت کے بارے میں جو اس کے بنیادی افکار ہیں ان کا پتا لگے کہ کس طرح ہمارے لوگوں نے ان کا مقابلہ کیا ہے۔

دورِ جدید اور اس کے تقاضے:

جب مغربیت کے بنیادی افکار ونظریات اور باطل مذاہب کے بارے میں واقفیت ہوگی تو اس سے ان شاءاللہ تعالیٰ آپ کے ذہن میں ایک وسعت پیدا ہوگی اور ان شاءاللہ ایسے ہتھیاروں سے مسلح ہوں گے جو اس وقت کی ضرورت ہیں۔آج کوئی تلوار کی جنگ نہیں ہوتی بلکہ آج بموں، بندوقوں اور رائفلوں کی جنگ ہوتی ہے تو اسی طریقہ سے جو فکری جنگ ہے اس فکری جنگ کے لیے بھی نئے ہتھیاروں کی ضرورت ہے اور نئے ہتھیار اسی طریقے سے حاصل ہوں گے جس کے لیے ہم نے یہ تھوڑا سا دو سالہ نصاب بنایا ہے۔ہم چاہتے ہیں کہ رفتہ رفتہ اس کی بعض

چیزیں درسِ نظامی کے اندر پروئیں تا کہ یہ بات صرف تخصص فی الدعوۃ والارشاد کی حد تک محدود نہ رہے بلکہ اس کی بنیادی چیزیں درس نظامی کے نصاب کے اندر پروئی ہوئی ہوں، جیسا کہ یونانیوں کی منطق یا یونان کا فلسفہ، یہ کہاں سے آ گیا؟ اس کا کوئی تعلق قرآن اور حدیث سے ہے؟ تفسیر یا فقہ سے ہے؟ کسی چیز سے نہیں لیکن یہ وہ ہتھیار تھا جو کہ طلبہ کو اس وقت کے فلاسفہ کا مقابلہ کرنے کے لیے دیا تھا۔

چوں کہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان درحقیقت تیئس ہزار مدارس پر مشتمل ہے اور اس میں جہاں یہ کراچی کا دارالعلوم ہے، جامعہ علوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن ہے، جامعہ فاروقیہ ہے، جامعہ خیر المدارس اور ملک بھر میں پھیلے ہوئے بڑے بڑے جامعات ہیں اسی طرح ایسے بھی مدارس ہیں کہ بلوچستان کے ایک گاؤں میں مدرسہ قائم ہے، خیبر پختونخوا کے ایک گاؤں میں قائم ہے، پنجاب کے ایک گاؤں میں، سندھ کے ایک گاؤں میں مدرسہ قائم ہے اور وہ بیچارے گاؤں میں اپنے وسائل کے لحاظ سے کام کر رہے ہیں تو ہم کوئی ایسی چیز ان پر مسلط نہیں کر سکتے جو ان کی طاقت سے باہر ہو، یہ ہماری حدود ہیں۔ان حدود کے اندر رہ کر ہمیں کام کرنا پڑ رہا ہے، لہٰذا تدریج کے ساتھ کرنے کا ارادہ ہے، لیکن یہ ارادہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی تو جس طرح یہ یونانی منطق اور یونانی فلسفہ ہمارے نصاب کا حصہ تھا اسی طریقے سے ضرورت کے دیگر مضامین بھی ہم اس میں داخل کریں گے، ان شاء اللہ تا کہ ہمارے طالب علم کو اس کام کے لیے مزید دو سال خرچ کرنے کی ضرورت نہ ہو بلکہ اس کے ساتھ چلتا جائے، لیکن اس تخصص میں صرف یہی نہیں ہے بلکہ دیگر چیزیں بھی مثلاً انگریزی اور عربی زبانوں کی تعلیم، مثبت دعوت کے اصول ومناہج اسی طرح، فقہ السیرۃ کا عظیم الشان مضمون ہے جس کا مطالعہ کرنے اور پڑھنے سے خود اپنی شخصی تعمیر میں ان شاء اللہ تعالیٰ مدد ملے گی۔ اس لیے "تخصص فی الدعوۃ والارشاد" کی ضرورت پھر بھی رہے گی۔

دعائیہ کلمات:

آخر میں دل سے دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کے کاموں میں برکت عطا فرمائے اور علمِ نافع اور عمل صالح سے نوازے اور جو اساتذہ ماشاء اللہ آپ کو پڑھا رہے ہیں، انہیں مزید توفیق سے نوازے، سب کو علم اور عمل کی توفیق عطا فرمائے اور آپ کو زیادہ سے زیادہ فائدہ اور فیض پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے، ان لمحات کو غنیمت سمجھیں اور زیادہ سے زیادہ بہتر طریقے سے استعمال کرنے کی کوشش کریں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

علماءِ امت سے کچھ خاص باتیں

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ

مجدد الملت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نوراللہ مرقدہ کے علوم ومعارف عام وخاص......سب کے لیے فیض عام کی حیثیت رکھتے ہیں۔حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی اصلاح وانقلاب کی تجدیدی مساعی کے مختلف پہلو ہیں۔ان میں ایک پہلو اہل علم سے متعلق بھی ہے۔حضرت تھانوی نوراللہ مرقدہ نے اہل علم سے متعلق کچھ صاف صاف باتیں ارشاد فرمائی ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ عام مسلمانوں کی طرح طبقہ اہل علم بھی اصلاح وتہذیب اور تزکیہ کا محتاج ہے۔ذیل میں آپ کے مطبوعہ مواعظ میں سے منتخب اقتباسات کا سلسلہ دیا جارہا ہے۔اسے جناب صوفی محمد اقبال قریشی رحمہ اللہ نے ترتیب دیا اور حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کتب خانہ سے اس مفید مجموعہ کو شائع کروایا۔(ادارہ)

علماء کو قواعد تجوید سیکھ لینے چاہییں:

فرمایا......قرآن شریف اگر قواعد کے موافق تھوڑا بھی پڑھ لیا جائے تو کافی ہے پھر سب خود صحیح ہوجائے گا؛ ہاں! کسی استاد کے سامنے پیش کرنا سارے قرآن شریف کا ضروری ہے،اور یہ مضمون بہت ہی ضروری ہے اس کی طرف علماء کو بالخصوص توجہ کرنا چاہیے۔اس وقت اگر پچاس مولویوں کو جمع کرکے قرآن شریف سنا جائے تو بہ مشکل دو آدمی صحیح قرآن شریف پڑھنے والے نکلیں گے۔

کتنے افسوس کی بات ہے کہ طلباء فلسفہ پڑھتے ہیں،منطق پڑھتے ہیں اور راس العلوم قرآن شریف کو نہیں پڑھتے اور پھر غضب یہ کہ ایسے لوگ امام ہوجاتے ہیں اور اس میں دنیاوی خرابی یہ ہے کہ بعض اغلاط پر عوام بھی مطلع ہوجاتے ہیں اور علماء کی بے قدری کرتے ہیں۔

ایک صاحب نے سورہ ناس میں مِنَ الْجِنَّاتِ وَالنَّسُ پڑھا۔ایک صاحب نے سورہ ابی لہب میں تبت یدا ابی لحب پڑھا۔ایک صاحب نے کہا کہ حضور اتنے بڑے عالم ہوکر غلط پڑھتے ہیں؟۔کہنے لگے کس طرح پڑھوں؟ انہوں نے آہستہ سے ابی لھب بتلایا۔آہستہ اس لیے بتلایا کہ کوئی سنے نہیں،ناحق کی رسوائی ہے تو وہ بزرگ اس آہستگی ہی کو مقصود سمجھ کر فرماتے ہیں ہاں زور سے نہ پڑھا کروں ہلکے سے پڑھا کروں......انا للہ وانا الیہ راجعون!، سمجھانے پر بھی نہ سمجھے۔بات یہ ہے کہ بلا حاصل کیے ہوئے کچھ آتا نہیں۔(ضرورۃ العمل فی الدین)

علماء کو چندہ مانگنے سے بچنا چاہیے:

فرمایا......علماء سے وہی کام لو جس کے لیے وہ ہیں،مگر آج کل علماء سے وہ کام لیا جاتا ہے جو ان کا نہیں ہے۔کانفرنسوں میں لوگ علماء کو صرف اس لیے بلاتے ہیں کہ قال اللہ اور قال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے خوب چندہ ہوگا،سبحان اللہ مولوی کیا ہوئے بھاڑے کے ٹٹو ہوئے۔علماء کو چاہیے کہ وہ ایسے امور سے احتراز کریں۔ علماء کا طرز تو وہ ہونا چاہیے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم تھا کہ وَاْمُرْ اَھْلَکَ بِالصَّلٰوۃِ کہ:''اپنے اہل وعیال کو نماز کا حکم کرو''،اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہے:

اَمْ تَسْئَلُھُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّکَ خَیْرٌ وَّھُوَ خَیْرُ الرَّازِقِیْنَ ''(یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم) ان سے کچھ آمدنی چاہتے ہیں تو آمدنی تو آپ کے رب کی سب سے بہتر ہے اور وہ سب دینے والوں سے اچھا ہے۔''

سو مانگنا علماء کا کام نہیں،ان نصوص کی بناء پر ان کی شان کے خلاف بھی ہے اور پھر ان پر بدگمانی بھی ہوتی ہے۔ رؤسا پر یہ بدگمانی نہیں ہوسکتی کیونکہ ظاہر ہے کہ جو شخص پچاس روپے اپنی جیب سے دے گا تو اوروں سے پچیس لے سکتا ہے اور یہ رؤسا کر سکتے ہیں۔اس لیے علماء کو چاہیے کہ وہ اس کام کو نہ کریں۔پھر یہ تحریک علماء کے فرض منصبی میں بھی مخل ہوتی ہے،چنانچہ ایک مولوی صاحب کہتے تھے کہ چندہ کے واسطے امراء کے دروازوں پر جانے کا یہ اثر ہوتا ہے کہ اگر ہم کسی امیر کے پاس جائیں اور وہ شطرنج کھیل رہے ہوں تو ہم ان کو منع نہیں کر سکتے،کیونکہ ہم ان کی غرض کو ان کے پاس نہیں جاتے ہیں بلکہ ہم اپنی اغراض کو لے کر ان کے پاس جاتے ہیں،اس لیے دینا پڑتا ہے۔غرض ان مقاصد کے سبب علماء کا اختلاط امراء سے اچھا نہیں۔اکثر ان کے اختلاط سے خود مولوی بگڑ جاتے ہیں۔(خیر المال للرجال)

علماء کو نظافت کی طرف توجہ کی ضرورت:

فرمایا......ہماری جماعت جو علماء وطلباء کی جماعت کہلاتی ہے،اس کے لیے اس کی بھی ضرورت ہے کہ یہ نظافت کی طرف متوجہ ہوں۔جہاں تک دیکھا جاتا ہے ان لوگوں کو اس کا ذرا خیال نہیں۔بعض لوگ تکلف کے خوگر تو ہوتے ہیں لیکن صفائی ان میں بالکل نہیں ہوتی۔

صاحبو!......کپڑے میں کلف اور استری کی ضرورت نہیں۔ضرورت صرف اس کی ہے کہ میلا نہ ہو،پسینہ کی بدبو نہ ہو کیونکہ بدبو سے دوسروں کو بے حد تکلیف ہوتی ہے؛خصوصا اساتذہ کو؛ اور آپ لوگوں نے حدیث میں پڑھا ہے:**المسلم من سلمہ المسلمون من لسانہ ویدہ**

یعنی مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔(العمل العلماء ص ۳۶)

علماء کو غیر مقصود کے درپے ہونا مناسب نہیں:

فرمایا......میں علماء سے بھی کہتا ہوں کہ آپ کی یہ تقریریں اور نکات واسرار سب رکھے رہ جائیں گے، اور سامعین سے بھی کہتا ہوں کہ یہ مواجید واذواق اور معارف وحقائق بدون تعلق صادق کے بیکار ہیں۔

حضرات!......نوکر کا فیشن کام نہیں آتا کہ وہ بنا ٹھنا رہے اور باتیں بنایا کرے بلکہ اس کی خدمت کام آتی ہے۔
امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کو کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ فرمایا ''ساری عبارتیں اور اسرار ونکات واشارات غائب ہوگئے، ان سے کچھ کام نہ چلا، بس وہ چھوٹی چھوٹی چند رکعتیں کام آئیں جو آدھی رات میں پڑھ لیا کرتے تھے۔''

صاحبو!......بڑی چیز یہ ہے کہ انسان اصل عمل اور مقصود کو لازم سمجھے۔ اگر مقصود کے ساتھ غیر مقصود بھی حاصل ہوجائے تو نورٌ علیٰ نور ہے ورنہ کچھ نفع نہیں اگر مقصود حاصل نہ ہوا۔ آج کل غضب یہ ہے کہ علماء وصوفیاء سب غیر مقصود کے درپے ہیں مقصود سے اکثر غافل ہیں بلکہ کوسوں دور ہیں۔(غایۃ النجاح فی آیات النکاح ملحقہ حقوق الزوجین)

علماء کو عوام الناس کے سب شبہات کے جوابات دینا مناسب نہیں:

فرمایا......میں علماء کو بھی متنبہ کرتا ہوں؛ علماء کے عرفی اخلاق ہی نے عوام کو خراب کیا ہے کہ جہاں ان کے سامنے کسی نے شبہات بیان کیے اور یہ ہر شبہ کے مفصل جواب کو تیار ہوگئے۔ ارے اصلی جواب یہ ہے کہ مرض کی تشخیص کرو اور جڑ کو اکھاڑو، تم شاخوں کو چھانٹتے ہو، اس سے کیا ہوتا ہے؟! جب جڑ موجود ہے تو چند روز میں ہزاروں نئے نئے پتے اور نکل آئیں گے۔ محقق تشخیص کرکے اصل مرض کا علاج کرتا ہے اور غیر محقق آثار کا علاج کرتا ہے۔ میں نہایت پختگی سے دعوے کے ساتھ کہتا ہوں کہ جن مسلمانوں کو آج کل مذہب میں شکوک واوہام پیدا ہوتے ہیں ان کے اس مرض کا منشاء قلت محبت مع اللہ ہے۔ ان کو اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت نہیں ہے، تعلق نہیں ہے اور محض برائے نام تعلق کو تعلق نہیں کہا جاتا اور تعلق مع اللہ کے حاصل ہونے کا واحد طریق صرف یہ ہے کہ اہل اللہ کی صحبت حاصل کی جائے۔ اہلِ محبت کی صحبت میں یہ خاصیت ہے کہ اس سے بہت جلد محبت پیدا ہوجاتی ہے اور پھر جب محبت اور تعلق مع اللہ حاصل ہوجائے گا یہ لِمَ وَ کَیْفَ باطل اور وساوس وشبہات سب جاتے رہیں گے۔

میں علماء سے خیر خواہی کے ساتھ کہتا ہوں کہ ان شبہات کے جواب میں کیوں اپنا دماغ تھکاتے ہو؟، بس تم صرف ایک کام کرو کہ ان لوگوں کو اہل اللہ کی صحبت اور محبت کا پتہ دے دو۔(ورنہ تمہاری ساری تقریریں اور تدبیریں

بے سود ہوں گی) مگر غضب یہ ہے کہ آج کل خود علماء بھی طریق علاج نہیں جانتے۔

صاحبو!......علماء کا یہ کام نہیں کہ وہ قرآن میں صنعت وحرفت ٹھونسیں بلکہ علماء کا وہ کام ہے جو وکلاء کا کام ہوتا ہے کہ وکیل صرف یہ بتاتا ہے کہ یہ امر قانون کے موافق ہے یا مخالف؟!......اس سے زیادہ وکیل کا کچھ کام نہیں، مثلاً اس سے قانون کی لِم پوچھی جائے اسی طرح علماء کا اس سے زیادہ کچھ کام نہیں کہ جس بات کے متعلق شبہ ہو کہ یہ قانون کے خلاف تو نہیں ہے؟ وہ قانون کے الٰہی کے موافق یا مخالف ہونے کو واضح کردیں گے .نہ ان کا یہ کام ہے کہ اس قانون کی لم بتلادیں نہ یہ کام ہے کہ تمام سائنس کی تحقیقات کو قرآن میں داخل کریں اسی طرح نہ ان کا یہ کام ہے کہ قومی کاموں میں حصہ لیں، نہ یہ کہ اس کے لیے چندہ کریں، ان کا کام صرف قانون الٰہی کو سمجھنا ہے۔(غایۃ النکاح فی آیاۃ النکاح ملحقہ حقوق الزوجین ص ۴۸۷ تا ۴۸۹)

اسی سلسلہ میں فرمایا میں علماء سے بھی کہتا ہوں کہ وہ سائلین پر اتنی شفقت نہ کیا کریں اور خواہ مخواہ عوام کو دلیر نہ بنائیں اور اپنے درپے نہ کریں۔رہا یہ ڈر کہ بعض لوگ مصالح نہ معلوم ہونے سے اسلام سے نکل جائیں گے تو میں کہتا ہوں کہ بلا سے نکل جائیں

ز عشق نا تمام ما جمال یار مستغنی ست

بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئی زیبا را

اسلام کو ایسوں کی کوئی ضرورت نہیں، بس قانون کے موافق جواب دو۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم اس لیے پوچھتے ہیں کہ دوسروں کو بتلائیں گے اس کا جواب یہ ہے تم نے دو چار باتیں معلوم کر کے ایک دو سول کا جواب دے دیا تو ان کے علاوہ دوسرے سوالات میں کیا کرو گے؟۔(تکمیل الاسلام ص ۱۶)

علماء کو امر بالمعروف کی طرف توجہ کی ضرورت:

فرمایا...... قرآن شریف میں ارشاد ہے:

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتَابَ اور اس جواب کے بعد اپنے آپ کو بالکل بری سمجھ لیا مگر یہ دھوکہ ہے اور سبب اس دھوکہ کا یہ ہے کہ ان لوگوں نے یہ سمجھا کہ قرآن کا مقصود یہ ہے کہ اگر خود عمل نہ کرو تو دوسروں کو بھی نصیحت نہ کرو حالانکہ یہ مقدمہ بالکل غلط ہے کیونکہ امر بالمعروف طاعت ہے اور اس طاعت کی شرائط میں یہ شرط کہیں نہیں کہ اگر خود بھی عمل کرے تو طاعت ہوگی ورنہ نہیں۔ہاں اپنا عمل نہ کرنا ایک مستقل گناہ ہے جو کہ قابل ترک ہے لیکن امر بالمعروف کے ساتھ اس کو شرطیت وغیرہ کا کچھ تعلق نہیں اور یہ کسی حدیث یا

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

مجتہد کے قول سے ثابت نہیں کہ اگر گناہ سے نہ بچے تو دوسری طاعت بھی طاعت نہ ہوگی۔

بلکہ آیت میں ملامت اس پر ہے کہ تم خود کیوں عمل نہیں کرتے اور وعظ کے چھوڑ دینے سے تو دوسرا جرم قائم ہوگیا یعنی نہ خود عمل کریں اور نہ باجود معلوم ہونے کے دوسروں کو بتلائیں (نسیان النفس ص ۲۹)

علماء کو کسی خاص شخص کی اعانت کو دین کا موقوف علیہ نہ سمجھنا چاہیے:

فرمایا......میں سچ عرض کرتا ہوں کہ علماء کو استغناء برتنے کی ضرورت ہے، کسی کی خوشامد کی ضرورت نہیں۔ کوئی اس خیال میں نہ رہے کہ ہم ہاتھ کھینچ لیں گے تو یہ کام بند ہوجائے گا۔ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ ''اگر تم منہ پھیرلو گے تو تمہاری جگہ دوسری قوم کو کھڑا کردیں گے۔''...... میں یہ نہیں کہتا کہ علماء کو احتیاج نہیں؛ ہاں! اس احتیاج کو کسی کے سامنے لے جانے کی ضرورت نہیں۔ یہ کام دین کا ہے اور دین کے اللہ میاں کفیل ہیں۔ میں بدخلقی نہیں سکھاتا ہوں۔ خُلق ضروری ہے ہر شخص کے ساتھ نرمی سے پیش آئیں مگر ان کے اموال پر نظر نہ رکھیں اور کسی خاص شخص کی اعانت کو دین کا موقوف علیہ نہ سمجھیں البتہ ترغیب اور اظہار ضرورت کا مضائقہ نہیں یہ طریقہ مسنون ہے۔ (حقوق القرآن، ص:۱۴)

علماء کو امور خیر میں خود بھی مالی اعانت کرنا چاہیے:

فرمایا......جس کو خدا نے مال دیا ہو وہ اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرکے خدا تعالیٰ کو راضی کرے۔ اس میں واعظین اور علماء بھی داخل ہیں، ان کو بھی خرچ کرنا چاہیے اگر زیادہ نہیں کرسکتے تو کچھ تو کریں۔ علماء کا اکثر طبقہ اس میں بہت کوتاہی کرتا ہے۔ سارا امر بالمعروف ان کو اپنی بچت کے واسطے ہی سوجھتا ہے۔ خود خرچ کرنا کم جانتے ہیں۔ آپ کو چاہیے کہ اپنے بھائی کی روٹی بچوائیں اور اپنے پاس سے خرچ کریں اور جب کسی کام کے لیے چندہ کی تحریک کریں تو سب سے پہلے خود بھی چندہ دیا کریں۔ یہ صورت اچھی نہیں کہ دوسروں کو ترغیب دی جائے اور اپنے گھر سے کچھ نہ نکالا جائے۔ اس صورت میں اثر بھی نہیں ہوتا اور لوگ متوحش ہوتے ہیں۔ اگر تم بھی خرچ کیا کرو تو لوگوں کو وحشت نہ ہوگی۔ اب تو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ چندہ کے سارے وعظ کا حاصل یہ ہے کہ مولوی اپنی بچت کرنا چاہتے ہیں اور دوسروں سے وصول کرنا چاہتے ہیں، اگر علماء یہ کہیں کہ ہمارے پاس کہاں ہے؟ تو میں کہتا ہوں کہ آپ کے مدرسہ میں جو مزدور دو آنہ مہینہ دیتا ہے تم اس سے کم نہیں ہو پھر کیا وجہ ہے کہ تم دو آنہ بھی نہ دو؟!۔ (مطاہر الاموال)

ریلوے وغیرہ کے کرایہ کی ادائیگی میں احتیاط کی ضرورت:

فرمایا......عوام الناس تو غلطی کرتے ہیں کہ ان کو خبر نہیں کہ یہ ناجائز ہے؛ اور اہل علم اس کو جائز کرکے کرتے ہیں،

چنانچہ ایک قصہ سناتا ہوں، وہ یہ ہے کہ میں اور ایک معقولی طالب علم ریل میں سفر کر رہے تھے۔ ایک شخص نے سنا کہ وہ اس ریل میں سوار ہیں۔ ہم تو درمیانہ درجہ میں تھے اور وہ تیسرے درجہ میں۔ یہ شخص محبت سے ہمارے پاس آبیٹھے۔ وہ ایک اسٹیشن تک بیٹھے رہے۔ اس کے بعد اتر کر اپنے درجہ میں جانے لگے۔ میں نے ان سے کہا کہ تم نے اتنی مسافت درمیانہ درجہ میں قطع کی ہے اور تمہارے پاس ٹکٹ ہے سوم کا اتنی مقدار محصول تمہارے ذمہ دین ہے۔ تم اس کو ادا کر دینا اور آسان ترکیب بتا دی کہ اتنی مسافت کا جس قدر محصول درمیانہ درجہ کا سوم سے زاید ہے اس کا ٹکٹ اسی لائن کا خرید کر چاک کر دینا بس ادا ہو جائے گا۔ اس پر وہ معقولی طالب علم صاحب فرماتے ہیں کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں۔

فقہ کا مسئلہ ہے کہ منافع غصب نہیں ہوتے مثلاً کوئی کسی کے گھوڑے پر زبردستی سوار ہو کر چل دے تو اس کا کرایہ دینا پڑے گا۔ ہاں اگر مغصوب عین ہو اور اس کو تلف کر دے تو ضمان لازم آئے گا۔

انہوں نے جو یہ بات کہی تو مجھ کو سن کر حیرت ہوئی کہ جب اہل علم ہی ایسے فتوے دیں گے تو پھر عوام کی حالت کیا ہوگی؟۔ ایسے ہی لوگ بدنام کرتے ہیں فقہ کو، اب جو شخص فقہ کا ہی قائل نہ ہو اس سے تو ہماری گفتگو ہی نہیں، اور جو فقہ کا قائل ہے تو وہ فقہ کی کتابیں کھول کر دیکھے کہ فقہاء کا کیا مقصود ہے؟ اصل یہ ہے کہ اس موقع پر دو مسئلے جدا جدا ہیں، ایک یہ کہ منافع مقصود کو تلف کرنے سے گناہ ہوگا یا نہیں؟۔ اور ایک یہ کہ اس پر ضمان لازم آئے گا یا نہیں؟، تو فقہاء گناہ کی نفی نہیں کرتے صرف ضمان کی نفی کرتے ہیں، یعنی یہ نہیں کہتے کہ گناہ نہ ہوگا، گناہ ضرور ہوگا لیکن ضمان لازم نہیں آئے گا۔ (مطاہر الاموال، ص:۸۷)

علماء کا اپنی مصلحت سے وعظ کہنا سراسر دنیا پرستی ہے:

فرمایا...... آج کل اکثر علماء وعظ بھی بجائے سامعین کی مصلحت کے اپنی مصلحت سے کہتے ہیں، جس سے (لوگوں کو) اپنا معتقد بنانا؛ اپنی بدنامی رفع کرنا وغیرہ مقصود ہوتا ہے۔ سو اس کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے طبیب مریض کی مصلحت کو نہ دیکھے، اپنی مصلحت کو دیکھے، وہ طبیب نہیں، اسی طرح وہ واعظ بھی نہیں جو سامعین کی مصلحت پر نظر نہ رکھے۔ جتنے امراض اور خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں ان سب کی جڑ حب دنیا ہے۔ یہ مرض علماء اور مشائخ میں دق کی طرح سرایت کر گیا ہے۔ مثلاً علماء تقریر کرتے ہیں عام لوگوں کو راضی کرنے کے واسطے؛ مشائخ ملفوظات بیان کرتے ہیں اپنی بزرگی اور کمالات کے اظہار کے لیے۔ سو یہ سراسر دنیا ہے، علاوہ اس کے آخر غیرت بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے!۔ (افاضات یومیہ) ☆☆

روحانی بیماریوں کا علاج

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبیداللہ خالد مدظلہم
نائب صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

اما بعد فاعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم قَد اَفلَحَ مَن تَزَکّٰی ،وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّہِ فَصَلّٰی ،بَلْ تُؤثِرُونَ الْحَیَاۃَ الدُّنیَا، وَالآخِرَۃُ خَیرٌ وَاَبْقٰی ، اِنَّ ھٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی ، صُحُفِ اِبرَاھِیمَ وَمُوسٰی۔(سورۃ الاعلیٰ،آیت:19-14)

صدق اللہ مولٰنا العظیم،وصدق رسولہ النبی الکریم۔

میرے محترم بھائیو، بزرگو اور دوستو! اللہ جل جلالہ کا ارشاد ہے:

قَد اَفلَحَ مَن تَزَکّٰی ،وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّہِ فَصَلّٰی ،بَلْ تُؤثِرُونَ الْحَیَاۃَ الدُّنیَا، وَالآخِرَۃُ خَیرٌ وَاَبْقٰی ، اِنَّ ھٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی ، صُحُفِ اِبرَاھِیمَ وَمُوسٰی.

یہاں کئی باتیں اللہ رب العزت ذکر فرما رہے ہیں، پہلی بات ہے تزکیہ، دوسری بات ہے اللہ کا ذکر، تیسری بات ہے بندگی و عبادت اور چوتھی بات ہے دنیا اور آخرت۔ تزکیہ اگر یہ کہا جائے کہ سب سے زیادہ اہم چیز ہے اور سب سے زیادہ غفلت بھی اسی میں ہے۔

آدمی دو چیزوں کا مرکب ہے، ایک اس کا جسم ہے، جسے آپ اور میں دیکھ رہے ہیں، آپ کا جسم مجھے نظر آرہا ہے ، میرا جسم آپ کو نظر آرہا ہے، لیکن ہم سب جانتے ہیں اور نہ صرف یہ کہ جانتے ہیں، بلکہ اس کا صبح شام مشاہدہ کرتے ہیں کہ جسم باقی نہیں رہے گا، جو چاہو کشتہ استعمال کرلو، جو چاہو خمیرہ استعمال کرلو، جو چاہو دنیا جہاں کی دوائیں استعمال کرلو، جیسا چاہو طبیب اور ڈاکٹر اپنے لیے مقرر کرلو، مگر یہ طے ہے تمام ادیان اور مذاہب میں کہ یہ جسم باقی نہیں رہے گا، اسے ختم ہوجانا ہے اور اس کا ختم ہونا بھی بڑا سبق آموز اور عبرت انگیز ہے، بڑی عجیب بات ہے۔

سرورِ کائنات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو مقام اور مرتبہ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا، اس کائنات میں کسی انسان کو عطا نہیں فرمایا، آج بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرے سے ہماری آنکھیں بھیگ جاتی ہیں، محبت ہے آخری درجے کی، کیسی محبت ہے، فداہ ابی وامی، میرے ماں باپ بھی آپ پر قربان ہوں، ایسی محبت ہے۔

لیکن عجیب بات ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی وصال ہوا یا نہیں ہوا؟ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ

عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال پر آپ کی تدفین کے بعد۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک عجیب جملہ کہا کہ اے انس! کیا تمہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر مٹی ڈالتے ہوئے اچھا لگ رہا تھا؟''عن فاطمة رضی اللّٰه عنها لما دفن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قالت لانس یاانس! کیف طابت نفوسکم ان تحثو علی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم التراب؟!''(السیرۃ الحلبیہ)

تو ہما شما کیا ہیں بھائی؟ ہم اور آپ کیا ہیں؟ ہمیں اس گڑھے میں جانا ہے یا نہیں جانا؟ جانا ہے، ہمیں اس قبر میں جانا ہے، یہ جسم فنا ہو جائے گا۔ آدمی دو چیزوں کا مرکب ہے، ایک اس کا جسم اور دوسری چیز روح ہے، جسم ختم ہو جائے گا، آج ساری دنیا، چھوٹا بڑا، مرد، عورت، جوان، بوڑھا، سب کو جسم کا پتہ ہے، اس کی بیماریوں کا پتہ ہے، اس کی صحت کا پتہ ہے، ساری بیماریوں کے نام معلوم ہیں، یہ نمونیا ہے، یہ ملیریا ہے، یہ ٹائیفائیڈ ہے، یہ ڈینگی ہے، یہ چکن گونیا ہے، یہ دل کی بیماری ہے، یہ گردے کی بیماری ہے، یہ سر کی بیماری ہے یہ پیٹ کی بیماری ہے، یہ جلد کی بیماری ہے، سب پتہ ہے سب کو پتہ ہے اور بہت سے لوگ تو جو مبتلا ہوتے ہیں انہیں علاج کا بھی پتہ ہوتا ہے، چھوٹے چھوٹے بچے، بابا تھکے ہارے شام کو گھر آئے اور کہا! آج میرے سر میں بڑا درد ہے، صبح شام ہمارے ساتھ یہ معاملات ہوتے ہیں، گھر میں داخل ہو کے کہا سر پکڑ کر آج سر میں بڑا درد ہے، سر کا درد جسم کی بیماری ہے، تو آپ کا چھوٹا سا بچہ، چھوٹی سی معصوم بچی، وہ بھاگ کے آتی ہے، کہتی ہے بابا! میں ابھی پیناڈول لاتی ہوں، وہ کیا کہتی ہے؟ میں پیناڈول لاتی ہوں۔ اس بچی کو بھی پتہ ہے، اس بچے کو بھی پتہ ہے کہ سر کے درد میں کیا کھاتے ہیں؟ کوئی کہتا ہے گرم گرم چائے لاتا ہوں، چائے پئیں، سر کا درد ٹھیک ہو جائے گا۔ ایسا ہے یا نہیں؟ تو جو فنا ہونے والا جسم ہے اس جسم کی بیماریوں کا ہمیں خوب پتہ ہے، اس کے علاج کا پتہ ہے لیکن عجیب بات ہے کہ یہ جسم، یہ میں، یہ آپ، یہ ہم، اس جسم کی بنیاد پر نہیں بیٹھے ہوئے، ایک اور چیز ہے جس پر یہ جسم سواری کر رہا ہے اور وہ نہ ہو تو جسم بے کار ہے، اس کی کوئی حیثیت نہیں اور وہ چیز جو اس کا جوہر ہے، جو اس کی اصل ہے، جس کو بقا ہے، جس کو فنا نہیں ہے، وہ روح ہے، وہ کیا ہے؟ روح......

اور ہم سب اس سے غافل ہیں، ہمیں جسم کا بھی پتہ ہے صحت کا بھی پتہ ہے، بیماریوں کا بھی پتہ ہے، علاج کا بھی پتہ ہے، انتظامات بھی ہیں اعلیٰ درجے کے، ڈاکٹر ہیں، ہسپتال ہیں، مشینیں ہیں، لیبارٹریاں ہیں، ٹیسٹ ہیں، سب کس کے ہیں؟ جسم کے، روح کے نہیں، روح کی کوئی فکر نہیں بلکہ فکر تو بہت بعد کی چیز ہوتی ہے، اس کا تو علم ہی نہیں، جب علم ہی نہیں تو فکر کس بات کی؟ اس کی کوئی فکر نہیں ہے، اس کا کوئی علم نہیں ہے، اس کا کوئی تذکرہ نہیں ہے، جب کہ اصل وہی ہے، روح کی بیماریاں ہیں، روح کی صحت اور اس کا مرض ہے اور وہ اتنا خوف ناک ہے کہ اگر وہ بیماریاں

لگ جائیں اوران کا علاج نہ ہوتو آدمی اندر ہی اندر ختم ہوتا رہتا ہے، مثلاً ہمیں علم نہیں کہ ریا، دکھاوا، یہ جسمانی بیماری نہیں ہے، یہ روحانی بیماری ہے، ہم مسجد میں بیٹھے ہیں، پہلی صف میں بیٹھے ہیں، اندر ہی اندر یہ جذبہ چل رہا ہے کہ لوگ کہیں کہ یہ صاحب جمعے میں پہلی صف میں آ کے بیٹھے ہیں، لمبی نماز پڑھ رہے ہیں، لمبی دعائیں کر رہے ہیں، لمبے سجدے کر رہے ہیں، تلاوت کر رہے ہیں۔ لوگ مجھے یہ کرتا ہوا دیکھیں اور کہیں کہ یہ بڑے زبردست نمازی ہیں۔

لوگ حج پر جاتے ہیں، ابھی گئے نہیں، اگر کوئی کہے کہ بھائی صدیق صاحب! کیا حال ہے؟ تو کہتے ہیں کہ نہیں، حاجی صدیق صاحب کہیں؟ ابھی تک گئے نہیں ہیں اور جناب وہاں سے تصویریں بنا بنا کے بھیج رہے ہیں اور اگر کوئی استقبال کے لیے نہیں آیا، تو شکایت کہ انہوں نے میرا استقبال ہی نہیں کیا، پھر جناب گاؤں دیہات میں تو ہم نے یہ بھی دیکھا کہ دور تک لائٹیں لگی ہوئی ہیں، جھنڈیاں لگی ہوئی ہیں، بھائی کیا قصہ ہے؟ جی ہمارے حاجی صاحب آئے ہیں، حج مبارک، حج مبارک، جگہ جگہ دیواروں پہ، بینروں پہ، یہ سب کیا ہے؟ ریا ہے، دکھاوا ہے، یہ جسمانی بیماری نہیں ہے، یہ روحانی بیماری ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو شرک خفی سے تعبیر فرمایا، کیوں؟ اس لیے کہ حج تو اللہ کے لیے ہوتا ہے، اب اگر یہ دنیا کو دکھانے کے لیے کر رہا ہے تو پھر اللہ کے ساتھ اس نے مخلوق کو شریک کر دیا اور **اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیم** ”شرک بہت بڑا ظلم ہے۔“

اسی طرح سُمعہ ہے، یہ روحانی بیماری ہے جسمانی بیماری نہیں ہے کہ آپ ڈاکٹر سے کہیں کہ مجھے سمعہ ہو گیا ہے، وہ کہے گا یہ کیا ہوتا اس بے چارے کو سمعہ کا نہیں پتہ، اسے تو ملیریا، نمونیا معلوم ہے، سمعہ کیا ہے؟ سمعہ یہ ہے کہ میں آپ کے سامنے دین کی باتیں کر رہا ہوں اور میرے اندر یہ جذبہ پیدا ہو رہا ہے کہ نماز کے بعد لوگ مجھے کہیں کہ جناب! آج آپ نے بڑی زبردست بات کی، میں لوگوں سے یہ سننا چاہتا ہوں، میرے اندر یہ جذبہ پیدا ہو رہا ہے کہ آج آپ نے جو تقریر کی بڑی زبردست کی، ایسی تو ہم نے سنی ہی نہیں تھی، یہ میرے اندر جذبہ پیدا ہو رہا ہے، یہ بھی روحانی بیماری ہے اور خوف ناک بیماری ہے، ساری بات پر پانی پھر جاتا ہے، کوئی اثر اس بات کا نہیں ہوتا، کوئی فائدہ اس بات کا نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ سخت ناراض ہوتے ہیں، بات تو کی جائے اللہ کی رضا کے لیے، کوئی بھی کام دین کا اگر آدمی اس جذبے سے کر رہا ہے کہ میں لوگوں سے سنوں کہ آپ نے سبق ایسا پڑھایا، آپ نے تقریر ایسی کی، آپ نے نماز ایسی پڑھائی، آپ نے فلاں ایسا کیا، یہ میرے اندر جذبہ پیدا ہو رہا ہے کہ میں لوگوں سے اس کو سنوں۔ ہم نے یہ بھی دیکھا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائے کہ جلسہ عام ہے، سیرت النبی کا جلسہ ہے، خلافتِ راشدہ کا جلسہ ہے اور اگر تقریر کے بعد مقرر صاحب کی، خطیب صاحب کی کوئی تعریف نہیں ہوتی تو سخت ناراض ہوتے ہیں، کسی نے کچھ کہا ہی نہیں! چاہتے ہیں کہ لوگوں سے سنیں، لوگ کہیں کہ صاحب! شعر آپ نے ایسا پڑھا، تلاوت

آپ نے ایسی کی، انداز بیان آپ کا ایسا تھا، ایک زمانے سے ہم تقریریں سن رہے ہیں، ایسی تقریر ہم نے آج پہلی مرتبہ سنی، یہ سمعہ ہے۔

ایسے ہی کبر ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یعنی حدیث قدسی ہے، اللہ تعالیٰ کیا فرماتے ہیں؟ فرماتے ہیں: کبر میری چادر ہے، اَلْکِبْرُ رِدَائِیْ کبر میری چادر ہے۔ سوائے اللہ کے اور کسی کے لیے نہیں ہے بڑائی، عظمت صرف اللہ کے لیے ہے، اللہ اکبر اللہ اکبر، اللہ اکبر...... نماز میں کتنی دفعہ کہتے ہیں، بار بار کہتے ہیں اللہ بہت بڑے ہیں، اللہ سب سے بڑے ہیں، اللہ سے بڑا اور کوئی نہیں ہے اور جو آدمی کبر کر رہا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ میری چادر کو پھاڑ رہا ہے اور بھائی جو آدمی اللہ کی چادر کو پھاڑے گا اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوں گے یا راضی ہوں گے؟ آپ نے سنا ہے کہ شیطان جس کو قرآن میں بھی شیطان کہا گیا ہے، احادیث میں بھی اس کا ذکر شیطان سے ہے، ہم لوگ بھی اسے شیطان کہتے ہیں اس کا نام عزازیل تھا، جیسے جبرائیل، میکائیل، اسرافیل اور عزرائیل...... اس کا نام عزازیل تھا اور یہ معلم الملائکہ یعنی فرشتوں کا استاد تھا، اللہ نے بڑا علم اس کو دیا تھا۔

تکبر عزازیل را خوار کرد

تکبر نے عزازیل کو ذلیل اور رسوا کر دیا اسے راندہ درگاہ کر دیا، اسے مردود کر دیا، اسے شیطان لعین کہا جانے لگا، کس وجہ سے ہوا؟ کبر کی وجہ سے اور یہ کبر ایسی خوف ناک بیماری ہے کہ آدمی اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے، بڑی بڑی عجیب عجیب چیزیں ہیں، دین اسلام عاجزی سکھاتا ہے، دین اسلام تواضع سکھاتا ہے، دین اسلام سادگی سکھاتا ہے اور جتنے غیروں کے طریقے ہیں، افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ وہ ہمارے اندر آ رہے ہیں، ایسا لباس ہو، ایسا فلاں ہو، ایک لمبا قصہ ہے اور جتنے ماتحت ہیں، جتنے نیچے کے لوگ ہیں یا اپنے علاوہ ہیں، ان کے ساتھ جو سلوک ہوتا ہے وہ نہایت ذلت آمیز ہوتا ہے، بڑی عجیب بات ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے نبی اور رسول بنا کر بھیجا ہے، آپ کی نبوت اور رسالت تا قیامت ہے، آپ خاتم النبیین ہیں، آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ چناں چہ جب آپ اس دنیا سے پردہ فرما رہے ہیں، اس دنیا سے تشریف لے جا رہے ہیں تو اس وقت اگر کوئی بات آپ فرمائیں گے، تو وہ بہت اہم ہوگی، آخری بات قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے، آپ کا آخری پیغام کتنا اہم ہوگا، وہ پیغام معلوم ہے کیا ہے؟ وہ پیغام ہے:

اَلصَّلٰوۃُ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ (نماز نماز، نماز اور اپنے ماتحتوں کے ساتھ حسن سلوک)۔ آخری پیغام، نماز کو مضبوطی سے تھامے رکھو، نماز میں کوتاہی مت کرو۔ الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم۔ (سنن ابن ماجہ، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی ذکر مرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اور جو تمہارے غلام، نوکر، خادم، ماتحت، تم سے نیچے کے لوگ ہیں ان

کے ساتھ حسن سلوک کرو، کبر اس کی اجازت نہیں دیتا، غرور اور تکبر اس کی اجازت نہیں دیتا۔

میں عرض کر رہا ہوں کہ یہ کبر بھی خوف ناک، خطرناک روحانی بیماری ہے، چناں چہ اس وقت جو شدید ضرورت ہے، کم از کم ہم روح کو سمجھیں، روح کی صحت اور بیماری کو سمجھیں، اس لیے کہ روح ختم نہیں ہوگی، جسم تو ختم ہو جائے گا، جس کی ہم اتنی فکر کر رہے ہیں، اتنی خدمت کر رہے ہیں، اتنا علاج کر رہے ہیں، وہ ختم ہو جائے گا، وہ باقی نہیں رہے گا، روح باقی رہے گی، وہ ختم نہیں ہوگی۔

چناں چہ اس روح کو سمجھنا، کہ روح کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ نے پوچھا:

وَيَسْـئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ...... قرآن میں ذکر ہے کہ لوگ آپ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں......

قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّىْ

آپ مجھے بتائیے کیا اللہ کو فنا ہے؟ تو اللہ کے امر کو فنا کیسے ہو سکتی ہے؟ قل الروح من امر ربی...... یہ جو میں بات کر رہا ہوں یہ جو میں آپ کو دیکھ رہا ہوں، آپ جو میری بات سن رہے ہیں، یہ جو آپ مجھے دیکھ رہے ہیں، اس میں سارا کا سارا کردار اس امر ربی کا ہے، وہ امر ربی نکل گیا تو قصہ ختم، پھر یہ آنکھیں نہیں دیکھیں گی، پھر یہ کان نہیں سنیں گے، پھر آپ اٹھ بیٹھ نہیں سکیں گے، پھر آپ چل پھر نہیں سکیں گے......بس ختم!، امر ربی نکل گیا، اس امر ربی، اس روح کی فکر کریں، اس کی بیماریاں ہیں ان سے بچنے کی کوشش کریں، اپنے آپ کو ریاء سے، دکھاوے سے بچائیں، اپنے اعمال کو خالص اللہ کے لیے کریں، شیطان آئے گا، وسوسے ڈالے گا، لیکن فوراً رد کر دیں، صرف اللہ کے لیے کام کر رہا ہوں، میں صرف اللہ کے لیے نماز پڑھ رہا ہوں، میں صرف اللہ کے لیے حج کر رہا ہوں، میں صرف اللہ کے لیے زکوٰۃ دے رہا ہوں میں صرف اللہ کے لیے حسن سلوک کر رہا ہوں، میں صدقہ خیرات اللہ کے لیے کر رہا ہوں، میں کسی کے ساتھ معاملہ کر رہا ہوں اللہ کے لیے کر رہا ہوں۔ بار بار اس عہد کو تازہ کریں۔

ایسے ہی سمعہ، بدنظری۔ جھوٹ اور غیبت ہے، یہ جسمانی بیماریاں نہیں، ہسپتالوں میں ڈاکٹروں کے پاس ان کا علاج نہیں ہے، کوئی لیبارٹری ایسی نہیں ہے جہاں جا کر آپ ان امراض کو چیک کروا سکیں، یہ سب روح کی بیماریاں ہیں اور ان روحانی بیماریوں کی وجہ سے آدمی پست سے پست تر ہوتا چلا جاتا ہے، صبح شام کا معاملہ ہے، ہم بھی اس محلے میں رہتے ہیں آپ بتائیے کتنے ہمارے مسلمان بھائی ایسے ہیں جو روحانی بیماری کی وجہ سے بے حس ہو گئے، ان سے حس ختم ہو گئی ہے کہ آج جمعے کا دن ہے، سید الایام ہے، جمعہ کے دن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے دنوں کا سردار کہا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جمعے کے دن کے لیے اہتمام فرماتے تھے، غسل فرماتے تھے، نئے اچھے کپڑے پہنتے تھے، خوش بو لگاتے تھے، جیسے عید، بقرہ عید کے لیے آدمی تیاری کرتا ہے، ایسی تیاری کرتے تھے اور جمعے کی نماز

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

کے لیے آتے تھے، آج میرے دوستو! کتنے لوگ ہیں جمعے کا کوئی اہتمام نہیں۔ میں تو کہا کرتا ہوں مسجد کی دکانوں میں دکان ہے، کتنی مساجد ایسی ہیں جن میں دکانیں ہیں، پانچ وقت اذان ہوتی ہے۔ جو وقت دکانوں کا ہے، اس میں ظہر، عصر، مغرب اور عشاء میں اذان ہو رہی ہے، دکانیں کھلی ہوئی ہیں، لوگ آ رہے ہیں، نماز کے لیے مسجد میں جا رہے ہیں کتنے دکان داروں کو دیکھیں گے کہ وہ مسلمان ہیں کافر نہیں ہیں، لیکن مسجد نہیں جا رہے...... وجہ کیا ہے؟ وجہ یہ ہے کہ اندر روح اتنی لاغر ہوگئی، اتنی کم زور ہوگئی کہ وہ اللہ اکبر اللہ اکبر کی صدا جب مؤذن لگاتا ہے تو اسے پتہ نہیں چلتا، وہ کہہ رہا ہے حی علی الصلوٰۃ، حی علی الفلاح آؤ نماز کی طرف آؤ، کام یابی کی طرف۔ پتہ ہے کیوں وہ اس طرف نہیں آتے؟ اس لیے نہیں کہ ان کا جسم کم زور ہے، نہیں، جسم تو بڑا طاقت ور ہے، اندر جو روح کی قوت اور صحت ہے وہ متاثر ہے حدیث میں آتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”آدمی ایک گناہ کرتا ہے، اس کے قلب پر ایک سیاہ نکتہ لگ جاتا ہے، دوسرا گناہ کرتا ہے دوسرا نکتہ لگ جاتا ہے، تیسرا گناہ کرتا ہے تیسرا لگ جاتا ہے، چوتھا کرتا ہے چوتھا لگ جاتا ہے، یہاں تک کہ گناہوں کی کثرت سے اس کا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ اب باوجود اس کے کہ مسجد کی دکانوں میں ہے، اللہ اکبر...... اللہ اکبر...... کی صدا لگ رہی ہے، لیکن چونکہ روح کمزور ہوگئی ہے اس لیے نماز کے لیے مسجد میں نہیں جا رہا، حس باقی نہیں رہی۔

یاد رکھیے!...... یہ گناہوں اور توبہ کا قصہ ایسا ہے کہ اللہ رب العزت تو بہانے ڈھونڈتے ہیں کہ میرا بندہ میری طرف آئے اور اپنے گناہوں کو مجھ سے معاف کروالے، ایسا نہیں ہے کہ اگر کوئی آدمی گناہ گار ہوگیا ہے تو کوئی راستہ ہی نہیں ہے، نہیں ایک آنسو ندامت کا اگر اس کی آنکھوں سے نکل گیا اور اس نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع اور انابت اختیار کر لی اور اس نے کہہ دیا اے اللہ! میں توبہ کرتا ہوں، اے اللہ! میں توبہ کرتا ہوں...... ختم، سب کچھ ختم، ساری سیاہی ختم، سارا کالا پن ختم، اور وہ اسی طرح سے چمک دار ہو جائے گا، وہ اسی طرح سے طاقت ور ہو جائے گا، یہ صرف اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے، دنیا میں اور کہیں نہیں ہے، ہم بہ ظاہر یہ سمجھتے ہیں کہ ماں باپ محبت کرتے ہیں، بہن بھائی بڑی محبت کرتے ہیں، خالہ، خالو بڑی محبت کرتے ہیں، ممانی اور ماموں بڑی محبت کرتے ہیں، پھوپھا، پھوپھی بڑی محبت کرتے ہیں، لیکن صبح شام کے مسائل ہیں، ہمارے قبیلے کا سردار بڑی محبت کرتا ہے، ہم اس کے علاقے میں رہتے ہیں، اس کو سردار مانتے ہیں، لیکن صبح شام کیا ایسا نہیں ہوتا کہ باپ ناراض ہوگیا؟ آپ ہاتھ جوڑ رہے ہیں، مجھ سے غلطی ہوگئی، مجھے معاف کر دیں، وہ کیا کہتے ہیں؟ دفع ہو جاؤ، میں تمہاری شکل دیکھنا نہیں چاہتا۔ بڑا بھائی ہے، ناراض ہوگیا، آپ ہاتھ جوڑتے ہیں، اس سے زیادہ کیا کر سکتا ہے آدمی؟ ہاتھ جوڑتے ہیں، لیکن وہ کہتا ہے دفع ہو جاؤ، لوگ جرگے لے کر جاتے ہیں، بھائی کے پاس، عزیزوں کے پاس، سردار کے پاس، معزز لوگوں کو لے کے

جاتے ہیں کہ ہم سب اس کی سفارش کرتے ہیں آپ معاف کردیں وہ کیا کہتا ہے؟ دفع ہو جاؤ، میرے ڈیرے سے نکل جاؤ۔ ایسا ہے یا نہیں؟ صبح شام کے واقعات ہیں، لیکن اس پوری کائنات کا اکیلا مالک، ساری عظمتیں اس کے لیے ہیں، ساری بڑائی اس کے لیے ہے، اس کے سامنے اگر آپ صرف اتنا کہہ دیں کہ اے اللہ! میں آپ سے معافی مانگتا ہوں، اے اللہ! میں توبہ کرتا ہوں......سارے گناہ معاف۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی روح کے تزکیے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ، وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ

اساتذہ مدارس کی خدمت میں

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نوراللہ مرقدہ کے خط سے ایک اہم اقتباس:

☆......میرے پیارے!...... بہت ہی مدرسے کے اوقات کا اہتمام رکھیو، میں نے اس کے بہت تجربے کیے، اور بڑوں بڑوں پر کیے، مولانا عبدالرحمن صاحب نوراللہ مرقدہ نے ایک دفعہ سبق نہ پڑھایا میں نے مطالبہ کیا؛ کہنے لگے طبیعت سست تھی، میں نے کہا یہ عذر نہیں یاڑی! (دوست) اسے بھگتو گے۔ بیس دن ایسے سخت بیمار رہے اور مجھ پر الزام لگا دیا کہ تم نے بیمار کیا......اور بہت لمبے تجربے ہیں، اور خوب ہیں، لکھنے کے نہیں، زبانی سلسلہ چل جاتا تو خبر نہیں کتنے سناتا، عاقل، بیٹی، سلمان......سب سے بہت اہتمام سے کہہ دیجیو کہ میرے پیارو!......مدرسے کے حقوق اور اوقات کا تعلق نہ ناظم سے ہے نہ مہتمم سے، براہ راست عدالت مدعی ہے، اپنے جتنے حقوق مدرسہ پہ رہ جاویں تو بہت غنیمت سمجھو، اور مدرسے کا کوئی حق بھی کسی قسم کا تم میں سے کسی کے اوپر نہ رہے۔ اس سے بہت زیادہ ڈرتے رہیں۔ (حیات مستعار، ص:۱۴۶، ج:۲)

☆......فرمایا......مدرسہ کا مال بہت خطرناک ہے، بڑے حضرت رائپوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے مدارس کی سرپرستی سے جتنا ڈر لگتا ہے اتنا کسی اور کام سے نہیں لگتا، اس وجہ سے کہ تم مدرسہ کے مال کے مالک نہیں امین ہو۔ ہمارے معاف کرنے سے معاف نہیں ہوتا، اپنے تعلق کی وجہ سے اگر کسی کی خیانت کو معاف کروگے تو تم بھی پکڑے جاؤ گے۔ (ملفوظات حضرت شیخ، ص:۱۶۰)

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

فنِ اسماءالرجال......راویانِ حدیث کی تحقیق وتفتیش کا کھلا ریکارڈ

بعض طلبۂ حدیث کے تغافل اور افسوسناک روش پر اِنتباہ

شیخ الحدیث مولانا عبدالقیوم حقانی

جن لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال اور احوال کو نقل کیا انہیں ''رواۃ ورجالِ حدیث'' کہا جاتا ہے، جس میں صحابہ کرامؓ سے لے کر چوتھی صدی ہجری تک کے راویانِ حدیث وآثار داخل ہیں۔ان کے مجموعۂ احوال کا نام ''فنِ اسماءالرجال'' ہے۔جب حدیث کی تدوین ہو رہی تھی تو اسی کے ساتھ محدثین اعتماد کو باقی رکھنے والا ایک منظّم فن بھی مدوّن کرتے جا رہے تھے، جس میں کسی روایت کی جانچ پڑتال، چھان پھٹک اور صحیح وغلط کی تصدیق کے لئے بے شمار مراحل تشکیل دیئے گئے، ہر راوی کا نام، اس کی کنیت، لقب، کہاں کے رہائشی تھے؟ آباؤ اجداد کون تھے؟ کس مزاج وطبیعت کے تھے؟ حافظہ کیسا تھا؟ تقویٰ اور دینداری کے لحاظ سے کیا درجہ تھا؟ کن اساتذہ اور شیوخ سے علم حاصل کیا تھا؟ طلبِ علم کے سلسلے میں کہاں کہاں کی خاک چھانی؟ تلامذہ کون تھے؟ الغرض ان ہزارہا احادیث کے ساتھ ان کے راویان کے بارے میں بھی تحقیق وتفتیش کا اتنا زبردست ریکارڈ جمع کیا گیا کہ دنیا کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں۔

یہود ونصاریٰ، ہنود اور دیگر اقوام کے پاس بھی ان کی مذہبی کتابیں تھیں، لیکن ان کے گرد اُن کے مذہبی پیشواؤں کا پہرہ نہ تھا، نفس کے پجاریوں نے ان میں دخل اندازی کی، نہ ان کتابوں کے الفاظ محفوظ رہے نہ معانی، ان کے ایڈیشن ہر موڑ پر بدلتے گئے اور صرف ایک تاریخی یادگار بن کر رہ گئیں۔لیکن بلاخوف وخطر کہا جا سکتا ہے کہ اُمتِ مسلمہ کے پاس نہ صرف قرآن مجید محفوظ شکل میں موجود ہے بلکہ احادیث نبویہ بھی محفوظ ہیں اور کھرے کھوٹے کا واضح امتیاز کیا گیا ہے اور یہ اسی فن کی بدولت ممکن ہوا ہے جس میں اُمتِ مسلمہ کی چیدہ وچنیدہ شخصیات نے اپنی پوری ذہانت ومحنت صَرف کی اور ذہنی کاوش وعلمی موشگافیوں کا بہترین ثبوت دیا۔

عالمِ اسلام کے مشہور حنفی محقق، عظیم محدث، نابغۂ روزگار شخصیت شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ اپنی مایۂ ناز کتاب ''لمحات من تاريخ السنة وعلوم الحديث'' میں لکھتے ہیں :

''ہمارے اسلاف نے سنتِ مطہرہ کی جتنی خدمت کی ہے شاید ہی کسی علم کی اتنی خدمت کی گئی ہو، کسی نے کہا کہ علوم کی تین قسمیں ہیں: ایک قسم جو نیم پختہ رہی، دوسری قسم جو پختگی میں کمال کو پہنچی، تیسری قسم جو اس سے بھی آگے بڑھ گئی اور پختہ ہوکر بالکل کھری ہوگئی وہ علمِ حدیث ہے''۔(لمحات من تاريخ السنة وعلوم الحديث،ص:۱۳۶)

حافظ ابن الصلاح نے اپنی معروف کتاب **معرفة انواع علم الحديث** میں ان پینسٹھ (۶۵) علوم کے نام ذکر کئے ہیں جن کی وضع وتدوین کا سہرا اُمتِ محمدیہ کے بالغ نظر اہلِ علم کے سر ہے اور جن کے منصۂ شہود پر آنے کا سبب وداعی قرآنِ کریم کا فہم وادراک اور سنتِ مطہرہ کی نگرانی اور حفاظت تھا۔(معرفة انواع علم الحديث ص:۱۸)

فنِ اسماء الرجال، فنِ جرح وتعدیل، اُصولِ حدیث اور عللِ حدیث میں محدثین اور ناقدین نے جن موشگافیوں سے کام لیا ہے، جس ذہانت، نکتہ بینی، دیدہ ریزی اور جان فشانی کا ثبوت دیا ہے، اس کا اندازہ ان فنون کے محققین کی ضخیم تصنیفات اور دقیق وغامض، بحثوں پر نظر ڈالنے سے ہی ہوسکتا ہے۔ فنِ اسماء الرجال کا تو غیروں نے بھی اعتراف کرلیا ہے کہ کوئی قوم دُنیا میں ایسی نہیں گذری ہے اور نہ ہی آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال جیسا عظیم فن ایجاد کیا ہو، جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصیتوں کا حال معلوم ہوسکتا ہے ......

ع...... تو ہی اگر نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں

فنِ اسماءِ رجال کی روح :

حضرت مولانا انظر شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ :

''نہ جاننے والوں سے تو کیا عرض کیا جائے جو جانتے ہیں انہیں معلوم ہے کہ حدیث کا نصف علم رجال سے متعلق ہے۔ حدیث کی قبولیت وعدمِ قبولیت، صحت وضعف اور اسی قبیل کے دوسرے فیصلے داخلی پہلو سے ہٹ کر خارج میں رجال ہی پر موقوف ہیں۔ کس درجہ کی ہے وہ شخصیت جو سلسلۂ سند میں موجود ہے اس کا پایۂ علمی ثقاہت' حفظ وذکاء' احتیاط' ورع وتقویٰ' دیانت اور حدیث کے قبول کرنے کی وہ تمام شرائط جو ان میں ہونی چاہئیں کیا اس میں موجود ہیں یا نہیں؟ یہی فنِ اسماءِ رجال کی روح ہے''۔(نقشِ دوام ص:۳۹۲)

حدیث اور علومِ حدیث کی اہمیت اور دائرۂ کار :

علمِ قرآن اگر اسلامی علوم میں دل کی حیثیت رکھتا ہے تو علمِ حدیث شہ رگ کی۔ یہ شہ رگ اسلامی علوم کے تمام اعضاء وجوارح تک صاف خون پہنچا کر ہر آن اُن کے لئے حیاتِ نو کا سامان مہیا کرتی ہے۔ آیات کا شانِ نزول،

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

ان کی تفسیر، اَحکامِ قرآن کی تشریح وتوضیح، اجمال کی تفصیل، عموم کی تخصیص اور مبہم کی تعیین سب علمِ حدیث کے ذریعے معلوم ہوتی ہیں۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت، اخلاق وعاداتِ مبارکہ، اسوۂ حسنہ وحیاتِ طیبہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سنن ومستحبات، احکام وارشادات، اسلام کی تاریخ، صحابہ کرامؓ کی مبارک زندگی اور اجتہاد واستنباط کا سرمایہ اسی علمِ حدیث کے راستے نقلاً بعدنقلٍ ہم تک پہنچا ہے۔ اسلام کے عملی پیکر کا صحیح مرقع اسی علم کی بدولت مسلمانوں میں قائم ودائم ہے اور ان شاء اللہ رہتی دنیا تک رہے گا۔

ہمارے اسلاف نے آغازِ اسلام سے قرآنِ کریم کے بعد علومِ حدیث کو اپنے سینوں سے لگایا، ہر ہر پہلو پر نظر رکھی، گرد وپیش کا جائزہ لیتے ہوئے ایسی مضبوط چاردیواری اور سرحدیں قائم کردیں جن میں نہ تو دشمن کے جھوٹ وفریب کا تیر داخل ہوسکا اور نہ کوئی ڈاکو یا رہزن نقب زنی کرسکا۔ مولائے کریم نے ان کو ایسے حافظوں اور ذہنوں سے نوازا تھا جن کے ذریعے وہ حرفِ حدیث وحرفِ غیر میں ایسا فرق کرتے تھے جس طرح ماں اپنے بچوں کو غیروں سے ممتاز کردیتی ہے۔

وہ علومِ حدیث کو اپنا سرمایہ اور تمغۂ امتیاز سمجھتے تھے، گوشے گوشے سے واقف تھے، بلکہ لاکھوں راویانِ حدیث کی بھی خبر رکھتے تھے، پیدائش سے لے کر موت تک، پوتوں سے لے کر پردادوں تک اور اُستادوں سے لے کر شاگردوں تک کا سارا ریکارڈ ان کے خداداد ذہنوں میں محفوظ تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ اُمتِ مسلمہ نے اپنے پیارے آقا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین کی جتنی جاں فشانی وجان کاہی سے حفاظت کی، چار دانگ عالم میں اس کا تصور بھی ممکن نہیں۔ حدیث کے پیشِ نظر امانت ودیانت کے ایسے باب رقم کیے، جن میں باپ، بیٹے اور بھائی کا خیال رکھا گیا نہ ہی کسی اور رشتہ دار کا۔

امام بخاریؒ کے استاد اور جرح وتعدیل کے امام علی بن المدینیؒ سے جب ان کے والد کے بارے میں دریافت کیا جاتا تو فرماتے: ''اُن کے بارے میں میرے علاوہ کسی اور سے معلوم کرو''۔

جب لوگوں نے اصرار کیا تو فرمانے لگے: ''یہ دین کا مسئلہ ہے اور دین کے بارے میں کسی کا لحاظ نہیں رکھا جاسکتا، لہٰذا میرے والد اس معاملے میں کمزور ہیں''۔ (لمحات من تاریخ السنة وعلوم الحدیث ص:۱۶۱)

صاحبِ سنن امام ابوداؤدؒ نے صاف فرمایا: ''میرا فرزند عبداللہ کذاب ہے''۔ (لمحات من تاریخ السنة وعلوم الحدیث ص:۱۶۱)

بہرکیف علومِ حدیث پر ان کو ایسا عبور حاصل تھا کہ حدیث سنتے ہی اُن کو استحضار ہوتا کہ یہ فلاں کتاب میں فلاں فلاں جگہ مذکور ہے۔ مصنّفین کے مزاج، اسلوب وانداز، تصانیف کی ترتیب اور نشیب وفراز سے ایسے واقف تھے

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

جس طرح ایک دُکاندار جانتا ہے کہ میری دُکان میں فلاں چیز کہاں رکھی ہوئی ہے؟ حالؔی نے کیا خوب کہا ہے............؎

گروہ ایک جویا تھا علم نبیؐ کا
لگایا پتا جس نے ہر مفتری کا
نہ چھوڑا کوئی رخنہ کذبِ خفی کا
کیا قافیہ تنگ ہر مفتری کا
کئے جرح وتعدیل کے وضع قانون
نہ چلنے دیا کوئی باطل کا افسون
کیا فاش راوی میں جو عیب پایا
مناقب کو چھانا مثالب کو تایا
مشائخ میں جو قبح نکلا جتایا
ائمہ میں جو داغ دیکھا بتایا

(مسدس حالی،ص:۳۴)

طلبۂ حدیث کا افسوسناک رویہ :

آج حدیث کی درسگاہوں میں بیسیوں ایسے طلبہ ملیں گے جنھوں نے آٹھ دس سال رگڑے کھائے، مشقت برداشت کی تاکہ علومِ عالیہ کو سمجھیں، مگر جب ان تک رسائی ہوئی تو ایسی بے پرواہی سے گذرے کہ کتبِ ستہ کے طریقۂ تالیف وترتیب اور مصنف کے اسلوب وانداز تو درکنار! بعض تو مؤلفین کے نام تک نہیں جانتے، رواۃ کے نام اور متونِ حدیث کو یاد رکھنا بے کار گردانتے ہیں، اپنی کوتاہی اور سستی کو ایک دوسرا عنوان دے کر یوں گویا ہوتے ہیں کہ ''اصل تو حدیث کا معنی سمجھنا ہے'' سند پڑھتے وقت تحقیق کئے بغیر جو زبان پر آتا ہے بول دیتے ہیں۔ نہ عمرو اور عُمر میں فرق، نہ مَعین و مُعین میں امتیاز اور نہ زَبِیر و زُبَیر میں تمیز۔ لحن وتصحیف کرتے ہوئے ایک دوسرے سے بڑھ کر عبارت پڑھنے میں اتنی تیزی دکھاتے ہیں کہ بسا اوقات، حروف بلکہ الفاظ وکلمات تک سمجھ نہیں آ رہے ہوتے، جس طرح آج کل کے بعض حفاظِ کرام رمضان شریف میں قرآن پڑھتے ہیں۔

حدیث شریف بیان کرتے وقت صحابہ کرامؓ کے جسموں پر لرزہ طاری ہوجاتا، رنگ زرد اور چہرے پیلے

پڑ جاتے۔کیا تلفظ وصحتِ اداءاور لہجہ کی پابندی ضروری نہیں؟ عربی زبان میں تو اس کی شدید ضرورت ہے کہ صحتِ تلفظ کی پابندی ورعایت کی جائے۔ یہ تو اس زبان کی خصوصیت ہے کہ اس کے بولنے والے صحتِ تلفظ کے عادی ہوتے ہیں۔قرآنِ کریم کو صحتِ اداء کے ساتھ پڑھنے کے لئے تو علماء نے اتنی ساری کتابیں لکھی ہیں کہ ان سے قدیم زمانہ ہی میں ایک زبردست کتب خانہ تیار ہو چکا ہے،علمِ تجوید وقرأت میں قرآنِ پاک کے ایک ایک لفظ اور حرف کو اداء کرنے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔دنیا کی کسی زبان کو یہ اعزاز حاصل نہیں کہ اس کے الفاظ وحروف کی ادائیگی کی حد بندی کی گئی ہو۔اس کے صوتی آہنگ اور مخارجِ حروف کے سلسلے میں اس درجہ دِقتِ نظر سے کام لیا گیا ہو،ادائیگی کی مدت اور مقدار ومعیار کا تعین کیا گیا ہو۔

اگر ہم ض ، ذ ، ز ، ظ کے درمیان فرق کو ملحوظ نہ رکھیں۔ ہ ، ح کا امتیاز ختم کریں۔ق ، ک کے حدِ فاصل سے بے زار رہیں۔ س اور ش کے درمیان حدوں کو پھلانگ جائیں۔س ، ص ، ث ، ت ، ط اور ع ، أ کی مختلف شکلوں کو بلا ضرورت بات سمجھ کر متحد المخارج کر دیں،اور سرکاری سکولوں کے ماسٹروں کی طرح ایک لفظ کو دوسرے کے مخرج سے ادا کرنے میں کوئی باک محسوس نہ کریں بلکہ عربی کو اُردو میں پڑھیں تو یہ بڑے ظلم کی بات ہوگی۔آواز کے نشیب وفراز،اُتار چڑھاؤ میں اسی طرز کو اپنایا جائے جو اہلِ زبان کے نزدیک معمول بہ ہو،آواز کو ان معانی کے مطابق بنانا چاہیے جن کو الفاظ کا لباس پہنا کر پیش کیا جا رہا ہو۔استفہام وتعجب،زجر وتوبیخ،لوم وتقریع،تفخیم وتہویل،ندم وتحزین اور وعد ووعید،ان سب چیزوں کا خیال رکھ کر عبارت خوانی کرنی چاہیے،یہ نہ ہو کہ سند ومتن کو ایک ہی سانس میں پڑھیں۔جب ہم اپنی زبان میں بول رہے ہوتے ہیں تو مخاطب کے دو تین الفاظ سنتے ہی معلوم کر لیتے ہیں کہ وہ فرحت وسرور کی کیفیت میں ہے یا غم وغصہ اور غیظ وغضب کی کالی گھٹائیں اس کے دل پر چھا گئی ہیں، پھر کیا جواز ہے کہ عربی زبان بلکہ احادیثِ رسولؐ کے ساتھ یہ معاملہ روا رکھا جائے؟

بہت کم کوئی ایسا صاحبِ حدیث ہوگا جو اختلافی مسائل سے ورے اس بات کا بھی اہتمام کرتا ہو کہ حدیث کو اُصولِ حدیث ہی کے نقطۂ نظر سے پڑھے اور سمجھے اور معلوم کرے کہ راوی کون ہے؟ لقب وکنیت کیا ہے؟ کس مزاج وطبیعت کے مالک تھے؟ حافظے کا معیار کیا تھا؟ تقویٰ وتدیّن میں کس درجے پر فائز تھے؟ ملازمتِ شیخ حاصل ہے یا چلتے چلتے روایت لی؟ متساہل،متشدد اور متعصب ہونے کی وجوہات کیا ہیں؟ یہ تو شعبہ عبدالرحمٰن بن مہدی،یحییٰ بن سعید القطان اور ابن مدینی کا کام تھا،میرا مقصد یہ نہیں کہ ہم میں سے بھی کوئی شعبہ بنے تو کوئی ابن مہدی کی مثل ہو، کوئی ابن حجر کا ہم پلہ بنے تو کوئی انور شاہ کی نظیر ہو۔ رحمهم الله۔(بقیہ صفحہ نمبر:۴۶)

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

علامہ زیلعی کی کتاب ''نصب الرایۃ لاحادیث الہدایۃ''

تعارف اورمنہجِ تخریج

مولانا مفتی ابوالخیرعارف محمود گلگتی کشمیری

اس وقت احادیث کی تخریج پر مشتمل سب سے مشہور کتاب "نصب الرأیۃ لأحادیث الہدایۃ" ہے، یہ مشہور حنفی فقیہ ومحدث علامہ جمال الدین ابو محمد عبداللہ بن یوسف زَیلعی (المتوفی:762ھ) کی تصنیف ہے، اس کتاب میں علامہ زیلعی نے مشہور حنفی فقیہ علامہ علی بن ابوبکر مَرغینانی (المتوفی:593ھ) کی فقہ حنفی میں تصنیف کردہ مشہور کتاب "الہدایۃ" میں استشہاد کردہ احادیث کی تخریج کی ہے۔

علامہ زیلعی کا مختصر تعارف:

آپ کا نام نسب یوں ہے: حافظ متقن جمال الدین ابو محمد عبداللہ بن یوسف زَیلَعِی حنفی (المتوفی:762ھ)، آپ کو زَیلَعِی "زَیلَع" شہر کی نسبت سے کہا جاتا ہے جو کہ حبشہ کے ساحلی علاقہ میں واقع ہے، اس میں ایک بندرگاہ بھی ہے، آج کل یہ صومالیہ کا حصہ ہے، علامہ زیلعی نے ایک علمی ماحول میں پرورش پائی، پہلے فقہ کا علم حاصل کیا اور اس میں مہارت حاصل کی، پھر حدیث کی طلب میں لگے اور خوب اہتمام سے علم حدیث حاصل کیا اور اپنے وقت کے کبارِ شیوخ سے حدیث کا سماع کیا اور فاضل ہوئے اور حدیث کے جمع وتالیف میں لگے۔(۱)

آپ کے مشہور شیوخ:

آپ کے مشہور شیوخ میں " کنزالدقائق" کے شارح علامہ فخر زیلعی اور قاضی علاءالدین ترکمانی ہیں۔

علامہ زیلعی اور علامہ عراقی کا تخریج حدیث کے لیے اجتماعی مطالعہ:

آپ نے کتبِ حدیث کے مطالعہ کو لازم پکڑا یہاں تک کہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب "الہدایہ" اور تفسیر کشاف کے احادیث کی انتہائی استیعاب کے ساتھ تخریج کی۔ مزے کی بات یہ ہے کہ علامہ زیلعی اور علامہ عراقی نے جن کتابوں کے احادیث کی تخریج کی ہے اس کے لیے دونوں مل کر کتبِ احادیث کا مطالعہ کیا کرتے تھے، علامہ زمخشری کی تفسیر "الکشاف" کے احادیث کی تخریج پر مشتمل ایک اور کتاب "تخريج أحاديث الكشاف " بھی تصنیف کی۔ علامہ

زیلعی سنہ 762ھ کو قاہرہ (مصر) میں فوت ہوئے اور وہی پر دفن ہوئے۔(۲) رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

عمدہ ترین کتابِ تخریج:

نصب الرأیۃ کتبِ تخریج میں عمدہ ترین کتاب ہے، اگر اسے عمدہ ترین نہ شمار کیا جائے تو بھی یہ طرق حدیث اور کثیر کتبِ حدیث میں ان کے مقام کی نشاندہی پر مشتمل ہونے کے اعتبار سے انفع ہے، اس کے ساتھ ہی حدیث کی سند کے رجال سے متعلق ائمہ جرح وتعدیل کے اقوال بھی شافی وکافی طور پر بیان کیا ہے کہ میرے علم کے مطابق ان سے پہلے کسی نے ایسے بیان نہیں کیا ہے۔

علامہ زیلعی کا حدیث اور علوم حدیث میں تبحر:

علامہ زیلعی کے اس منہج اور علوم سے بعد میں آنے اصحابِ کتبِ تخریج خاص طور حافظ ابن حجر نے استفادہ کیا ہے، شیخ کی کتاب "نصب الرأیۃ" حدیث اور علوم حدیث میں ان کے تبحر اور مصادر کثیرہ کے بارے میں وسعتِ اطلاع پر دلالت کرتی ہے، علامہ سید محمد بن جعفر کتانی نے "الرسالۃ المستطرفۃ" میں اس کتاب کے بارے میں فرمایا کہ یہ انتہائی مفید تخریج ہے، ان کے بعد آنے والے ہدایہ کے شراح نے اس سے مدد لی ہے، بلکہ حافظ ابن حجر نے بھی اپنی تخریج کردہ کتب میں علامہ زیلعی کی تخریج سے بکثرت مدد لی ہے،(۳) یہ علامہ زیلعی کا فنِ حدیث اور اسماء الرجال میں تبحر اور فروع حدیث میں ان کی وسعت نظری کے کمال کی دلیل وگواہی ہے۔(۴)

علامہ زیلعی کا طریقہ تخریج:

علامہ زیلعی کا نصب الرأیۃ میں تخریج کا طریقہ یہ ہے کہ آپ پہلے صاحب ہدایہ کی ذکرہ کردہ حدیث کی عبارت ذکر کرتے ہیں پھر اس کے بعد تمام طرق ومواضع کے استقصاء کے ساتھ اصحاب کتب حدیث وغیرہ میں سے جس جس نے اس کی تخریج کی ہے اس کو بیان کرتے ہیں، پھر ان احادیث کو ذکر کرتے ہیں جو صاحب ہدایہ کی ذکر کردہ حدیث کے معنی کے لیے شاہد اور مؤید ہوتی ہیں اور یہ بھی بتاتے ہیں کہ ان احادیث کی تخریج کس کس محدث نے کی ہے، بطور تائید وشاہد ذکر کرنے والی احادیث کے لیے "احادیث الباب" کا رمز اختیار کرتے ہیں، پھر اگر وہ مسئلہ ائمہ مجتہدین کے درمیان اختلافی ہو تو حنفیہ کے برخلاف موقف اختیار کرنے والے ائمہ نے جن احادیث سے استشہاد کیا ہے انہیں بھی ذکر کرتے ہیں، ان احادیث کے لیے "احادیث الخصم" کا رمز وعنوان اختیار کرتے ہیں اور یہ بھی ذکر کرتے ہیں کہ کن کن محدثین نے وہ روایت نقل کی ہے، علامہ زیلعی یہ سارا عمل نہایت صاف اور بے داغ طریقہ اور بکمال انصاف سے انجام دیتے ہیں، کسی بھی طرح کا مذہبی تعصب وغیرہ انہیں حق بات

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

سے دائیں بائیں نہیں کرسکا۔

نصب الرایۃ کی طبعات:

یہ کتاب دو دفعہ طبع ہو چکی ہے، ان میں سے پہلی طباعت اس صدی کے اوائل میں ہندستان میں ہوئی، لیکن یہ طباعت اسانید اور متن دونوں میں اغلاط سے بھری ہوئی ہے، اس میں بعض جگہ ایسی تصحیف اور سقط واقع ہوئے ہیں کہ اس طباعت پر اعتماد ممکن نہیں رہا۔ دوسری طباعت قاہرہ میں مجلس علمی پاکستان کی تصحیح اور اشراف کے ساتھ سنہ 1375ھ بمطابق 1938م کو دار المامون سے ہوئی، یہ چار جلدوں میں ایک عمدہ اور محقق طبع ہے۔(۵)

تخریج میں ترتیبِ فقہی کی رعایت:

اس کتاب کی احادیث کی تخریج کی ترتیب کتبِ فقہیہ کے ابواب کی ترتیب پر رکھی گئی ہے، کتاب کی ابتدا "کتاب الطہارۃ" کی احادیث کی تخریج سے ہوتی ہے اور ابواب فقہیہ کی ترتیب سے آخر تک گئی ہے، علامہ زیلعی نے ابواب کی ترتیب میں اصل کتاب عینی ہدایہ کے مصنف کی ترتیب کی پیروی کی ہے، اسی وجہ سے اس کی مراجعت انتہائی آسان ہے، اس لیے کہ مراجعت کرنے والا اگر اس حدیث کا موضوع اور باب معلوم کرے تو وہ اس باب میں مطوبہ حدیث کی تخریج دیکھ سکتا ہے۔

علامہ زیلعی کے طریقہ تخریج کے ذیل میں یہ بات گذر چکی ہے کہ اس کتاب کو تخریج احادیث احکام کے سلسلہ میں ایک ضخیم انسائیکلوپیڈیا پایا جاتا ہے، خواہ ان احادیث سے حنفیہ نے استدلال کیا ہے یا ان کے علاوہ دیگر اصحاب مذاہبِ متبوعہ نے استدلال کیا ہے، یہ ایک عظیم خصوصیت ہے جس کی وجہ سے یہ جلیل القدر کتاب دیگر کتابوں سے ممتاز ہوتی ہے، اللہ تعالی ہماری طرف سے اور تمام مسلمانوں کی طرف سے اس کتاب کے مصنف علامہ زیلعی کو بہترین جزاعطا فرمائے، آمین۔

کتاب میں سے تخریج کی ایک مثال:

اس کتاب میں سے تخریج کا ایک نمونہ ومثال ملاحظہ کیجیے، یہ مثال اس حدیث کی تخریج سے متعلق ہے جس میں کپڑے پر منی لگ جائے تو پاک کرنے کی کیفیت بیان کی گئی ہے:

ذیل میں آپ ملاحظہ کرسکتے ہیں کہ علامہ زیلعی نے منی کے نجس ہونے یا پاک ہونے کے اختلافی مسئلہ کے بارے میں ہدایہ میں وارد احادیث کی تخریج کرتے ہوئے اپنے منہج کے مطابق سب سے پہلے "الحدیث الثالث" کے عنوان سے صاحب ہدایہ کی نجاست منی سے متعلق ذکر کردہ نصِ حدیث کو بیان کیا، پھر اس پر غریب ہونے کا حکم

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

لگایا، اس کے بعد یہ بتایا امام دارقطنی نے اپنی سنن میں اور امام بزار نے اپنی مسند میں اس حدیث کو سند کے ساتھ نقل کیا ہے اور ان دونوں کی سند کے ساتھ اس حدیث کو ذکر کیا، اس کے بعد ابن الجوزی کا اس حدیث اور اس کے طرق پر مفصل کلام نقل کیا ہے، ملاحظہ کیجیے:

ہدایہ میں ذکر کردہ نصِ حدیث: الحدیث الثالث: روی عن النبی صلی اللّٰہ علیہ و سلم أنه قال لعائشة رضی اللّٰہ عنها فی المنی: فاغسلیه إن کان رطبا، وافرکیه إن کان یابساً.

ترجمہ: تیسری حدیث: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منی کے بارے میں فرمایا کہ اگر منی تر ہو تو اسے دھولو اور خشک ہوگئی ہو تو اسے کھرچ لو۔

علامہ زیلعی نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کو غریب قرار دیا اور فرمایا: قلت: غریب.

اس کے بعد علامہ زیلعی نے یہ بتایا کہ اسی طرح کی روایت امام دارقطنی نے اپنی سنن میں اور امام بزار نے اپنی مسند میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کی ہے، ملاحظہ کیجیے:

وروی الدارقطنی فی "سننه" من حدیث عبد اللّٰہ بن الزبیر: ثنا بشر بن بکر، ثنا الأوزاعی، عن یحییٰ بن سعید، عن عمرة، عن عائشة قالت: "کنت أفرک المنی من ثوب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وآله وسلم إذا کان یابسا، وأغسله إذا کان رطبا ." انتهی .ورواه البزار فی "مسنده" وقال: لا یعلم أسنده عن عائشة إلا عبد اللّٰہ بن الزبیر هذا، ورواه غیره عن عمرة مرسلا .انتہی.

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی کو کھرچ دیا کرتی تھیں اگر وہ تر ہوتی، اور اسے دھو دیا کرتیں اگر وہ خشک ہوا کرتی تھی۔'' اسے امام بزار نے بھی اپنی مسند میں روایت کیا ہے اور یہ فرمایا کہ وہ نہیں جانتے کہ اس روایت کے راوی عبداللہ بن زبیر کے علاوہ کسی اور نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مسنداً نقل کیا ہو، امام بزار کے علاوہ بعض محدثین نے اسے حضرت عمرہ رحمہا اللہ سے مرسلاً نقل کیا ہے۔

اس کے بعد اس حدیث پر "التحقیق" سے علامہ ابن الجوزی کا کلام نقل کیا ہے:

قال ابن الجوزی فی " التحقیق ": والحنفیة یحتجون علی نجاسة المنی بحدیث رووه عن النبی صلی اللّٰہ علیه وآله وسلم أنه قال لعائشة: " اغسلیه إن کان رطبا وافرکیه إن کان یابسا ."قال: وهذا حدیث لا یعرف، وإنما روی نحوه من کلام عائشة، ثم ذکر حدیث الدارقطنی المذکور واللّٰہ أعلم .

ابن الجوزی نے "التحقیق" میں فرمایا کہ حنفیہ منی کی نجاست پر اس حدیث سے حجت پکڑتے ہیں جسے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اگر منی تر ہو تو اسے دھولو اور خشک ہوگئی ہو تو اسے کھرچ لو۔ یہ حدیث غیر معروف ہے، ہاں البتہ اس طرح کی بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کلام کے طور پر مروی ہے، اس کے بعد دارقطنی کی مذکورہ بالا روایت ذکر کی۔ واللہ اعلم۔

حدیث کا ایک محمل اور اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

ومن الناس من حمل فرك الثوب على غير الثوب الذى يصلى فيه وهذا ينتقض بما وقع في "مسلم": كنت أفركه من ثوب رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فيصلى فيه. وعند أبي داود: ثم يصلى فيه. والفاء ترفع احتمال غسله بعد الفرك، وحمله بعض المالكية على الفرك بالماء، وهذا ينتقض بما في "مسلم" أيضا: لقد رأيتني وإني لأحكه من ثوب رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم بظفري، والله أعلم.

بعض لوگوں نے حدیث میں وارد کپڑے پر لگی منی کے کھرچنے کو نماز کے علاوہ پہنے جانے والے کپڑے یعنی سونے والے کپڑے پر محمول کیا ہے، ان کا یہ محمول کرنا صحیح مسلم میں وارد روایت سے ٹوٹ جاتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی کو کھرچتی تھی اور آپ اس میں نماز پڑھا کرتے تھے، ابوداؤد کی روایت میں فرمایا کہ پھر اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا کرتے تھے، اس حدیث میں وارد "فیصلی" کا حرف فاء کھرچنے کے بعد دھونے کے احتمال کو ختم کرتا ہے کیوں کہ حرف فاء کا تقاضا ہے کہ کھرچنے کے بعد نماز سے پہلے کسی اور عمل کا فاصلہ نہ ہو، بعض مالکیہ نے ان روایت کو پانی کے ساتھ کھرچنے پر محمول کیا ہے، جب یہ بھی صحیح مسلم کی دوسری روایت سے ٹوٹ جاتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی کو اپنے ناخن سے کھرچتی تھیں۔

اس کے بعد علامہ زیلعی نے احادیث الباب، حدیث آخر، اور الاثار کے عنوان سے مذکورہ بالا حدیث (حنفیہ کے مستدل) کے مؤیدات اور شواہد کو ذکر کیا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

أحاديث الباب: روى البخاري ومسلم من حديث عائشة أنها كانت تغسل المنى من ثوب رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فيخرج فيصلى وأنا أنظر إلى بقع الماء في ثوبه، انتهى. قال البيهقي: وهذا لا منافاة بينه وبين قولها: كنت أفرك من ثوبه ثم يصلى فيه كما لا منافاة بين غسليه قدميه ومسحه على الخفين، انتهى. وقال ابن

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

الجوزی: ليس في هذا الحديث حجة لأن غسله كان للاستقذار لا للنجاسة .

-حديث آخر إنما يغسل الثوب من خمس: سيأتي قريبا

- الآثار: روى ابن أبي شيبة في "مصنفه" حدثنا حسين بن علي عن جعفر بن برقان عن خالد بن أبي عزة قال: سأل رجل عمر بن الخطاب فقال: إني احتلمت على طنفسة فقال: "إن كان رطبا فاغسله وإن كان يابسا فاحككه وإن خفي عليك فارششه بالماء .انتهى.

احادیثِ باب: امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے پہ لگی ہوئی کو دھویا کرتی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی کپڑے میں نماز کے لیے نکلتے اور نماز پڑھتے جب کہ میں آپ کے کپڑے پر پانی کے دھونے کے نشان کو دیکھا کرتی تھیں۔ امام بیہقی نے فرمایا کہ اس حدیث میں اور سابقہ روایات میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے فرمان: میں آپ کے کپڑے سے منی کو کھرچتی پھر آپ اس میں نماز پڑھا کرتے، میں کوئی منافات نہیں جیسا کہ وضو میں بغیر موزوں کے پاؤں دھونے اور موزوں پر مسح کرنے والی روایات میں کوئی منافات نہیں، کیوں کہ دونوں الگ الگ حال پر محمول ہیں کہ جب منی تر ہوتی تو دھولیا کرتیں اور جب خشک ہوتی تو اسے اپنے ناخن سے یا کسی اور چیز سے کھرچ کر صاف کیا کرتی تھیں۔ ابن الجوزی نے (اپنے فقہی مسلک کی رعایت کرتے ہوئے اس حدیث کا محمل بیان کرتے ہوئے) کہا کہ یہ حدیث سے منی کی نجاست پر استدلال کرنے والوں کے لیے کوئی حجت نہیں، کیوں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا دھونا میل کچیل دور کرنے کے لیے تھا نہ کہ منی کے نجس ہونے کی وجہ سے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ کا مقصد اگر صرف میل کچیل دور کرنا تھا نجاست کی وجہ سے نہیں دھویا تو وہ تو کھرچنے سے حاصل ہو جاتا ہے پھر دھونے کی کیا ضرورت تھی؟ جب کھرچنے کی جگہ دھویا تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ دھونا نجاست دور کرنے کے لیے تھا جیسا منی خشک ہونے کی وجہ سے یہ مقصد کھرچنے سے بھی حاصل ہو جایا کرتا تھا۔(٦)

اس کے بعد حدیث آخر سے ایک اور حدیث کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا کہ یہ حدیث آگے آنے والی ہے کہ پانچ چیزوں سے کپڑے کو دھویا جاتا ہے جن میں سے ایک منی بھی ہے۔ پھر "الآثار" کے عنوان سے حضرے عمر رضی اللہ عنہ کا یک اثر نقل کیا کیا ایک آدمی نی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ مجھے ایک طنفسہ (چٹائی، قلین، دری) پر احتلام ہوا ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا کہ اگر منی ابھی تک خشک نہیں ہوئی اور تر ہے تو اسے دھولو اور

اگر خشک ہوگئی ہے تو اسے کھرچ لو اور اگر یہ تم پر مخفی ہو تو اس چٹائی پر پانی کی چھینٹیں مارو۔

چوں کہ یہ مسئلہ اختلافی ہے اس لیے "احادیث الخصوم" کے عنوان سے فریق مخالف کے مستدل احادیث اور ان کے مخرجین اور طرق اور ان پر کلام کو نقل کر رہے ہیں:

– أحاديث الخصوم: روی أحمد فی " مسنده " حدثنا معاذ بن معاذ أنبأ عكرمة بن عمار عن عبد اللّٰه بن عبيد بن عمير عن عائشة قالت: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالیٰ عليه وسلم يسلت المنی من ثوبه بعرق الأذخر ثم يصلى فيه ويحته يابسا ثم يصلى فيه .انتهى .

– حديث آخر: أخرجه الدارقطنی فی "سننه" والطبرانی فی "معجمه" عن إسحاق بن يوسف الأزرق عن شريك القاضی عن محمد بن عبد الرحمن عن عطاء عن ابن عباس قال: سئل النبی صلى اللّٰه عليه و سلم عن المنی يصيب الثوب قال: "إنما هو بمنزلة المخاط أو البزاق، وقال: إنما يكفيك أن تمسحه بخرقة أو بأذخرة ."انتهى. قال الدارقطنی: لم يرفعه غير إسحاق الأزرق عن شريك انتهى .قال ابن الجوزی فی "التحقيق": وإسحاق إمام مخرج له فی "الصحيحين" ورفعه زيادة وهی من الثقة مقبولة ومن وقفه لم يحفظ .انتهى .ورواه البيهقی فی "المعرفة" من طريق الشافعی ثنا سفيان عن عمرو بن دينار. وابن جريج كلاهما عن عطاء عن ابن عباس موقوفا وقال: هذا هو الصحيح موقوف وقد روی عن شريك عن ابن ليلی عن عطاء مرفوعا ولا يثبت .انتهى.

سب سے پہلے مسند احمد سے امام احمد کی روایت کو سند کے ساتھ نقل کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذخر (ایک خاص قسم کی گھاس) کی ٹہنی سے منی کو اپنے کپڑے سے سونت کر صاف فرماتے پھر اسی کپڑے میں نماز پڑھا کرتے تھے، اور اگر منی خشک ہوتو اسے کھرچتے تھے پھر اس کپڑے میں نماز ادا کرتے تھے۔ ایک اور حدیث امام دارقطنی نے اپنی سنن میں اور امام طبرانی نے اپنی معجم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کپڑے کے بارے میں پوچھا گیا جس پر منی لگ جاتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ تو ناک کی ریزش کی طرح ہے یا تھوک کی طرح ہے، آپ کے لیے یہ کافی ہے کہ آپ کپڑے ایک ٹکڑے یا کسی ٹہنی سے اسے پونچھ لیں۔ امام دارقطنی نے اس روایت پر کلام کرتے ہوئے فرمایا کہ

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

شریک سے اسحاق الازرق کے علاوہ کسی اور نے مرفوعا نقل نہیں کیا، یعنی یہ ان کا تفرد ہے۔ابن الجوزی نے "التحقیق" میں فرمایا کہ اسحاق الازرق صحیحین کا راوی ہے، ان کا مرفوعا نقل کرنا زیادتی ہے اور ثقہ راوی کی زیادتی مقبول ہوتی ہے اور جس راوی نے موقوفا نقل کیا ہے اس نے اس زیادتی کو حفظ نہیں کیا۔امام بیہقی نے "المعرفہ" میں امام شافعی کے طریق سے سفیان سے نقل کیا، وہ عمرو بن دینار اور ابن جریج سے نقل کرتے ہیں، یہ دونوں عطاء کے واسطہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے موقوفا نقل کرتے ہیں۔امام بیہقی نے فرمایا کہ یہی صحیح ہے کہ یہ روایت موقوف ہے، جب کہ اسے شریک عن ابن لیلیٰ عن عطاء کے طریق سے مرفوعا بھی مرفوعا نقل کیا گیا ہے لیکن یہ مرفوعا ثابت نہیں۔

علامہ زیلعی جیسے جلیل القدر فقیہ ومحدث کے تعارف اور منہج تخریج کو علیٰ وجہ البصیرت سمجھنے کے لیے ایک مستقل تصنیف کی ضرورت ہے، زیر نظر مضمون میں انتہائی اختصار کے ساتھ علامہ زیلعی کے تعارف کے ساتھ ساتھ ان کے منہج تخریج کا ایک نمونہ پیش کیا گیا ہے تاکہ علوم حدیث کے طلبہ اور شائقین کو اس فن سے مناسبت پیدا ہوجائے۔اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کے محسن تمام اہل علم خاص طور پر فقہاء ومحدثین کو اپنی شان کے مطابق جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے پوری زندگی اور تمام صلاحیتیں لگا کر اسلامی علوم کو نہ صرف محفوظ رکھا بلکہ نہایت عمدہ انداز میں اگلی نسلوں کو منتقل کیا۔(۷)

حواشی:

(۱)......دیکھیے اصول التخریج ودراسۃ الاسانید۔ص:۱۸،البشریٰ،کراچی۔

(۲)......دیکھیے حاشیہ اصول التخریج،ص:۱۸۔

(۳)......حافظ ابن حجر نے خود اعتراف کیا ہے اور اپنی دو کتابوں ''الدرایۃ فی تخریج احادیث الہدایۃ ''(ص:۱۰)اور ''التلخیص الحبیر''(ص:۹)میں نصب الرایۃ کی تخاریج سے استفادہ کرنے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

(۴)......الرسالۃ المستطرفۃ،ص:۱۸۸

(۵)......اسی کا نسخہ لے کر دار احیاء التراث العربی اور المکتب الاسلامی بیروت اور دار الحدیث،ازہر قاہرہ سے بھی چھاپا گیا ہے۔

(۶)......یہ جواب بندہ کی طرف سے ہے۔

(۷)......یہ مضمون بندہ کی زیر تصنیف کتاب ''اصول تخریج اور دراسہ اسانید'' سے ماخوذ ہے جو درحقیقت ڈاکٹر محمود الطحان رحمہ اللہ کی کتاب ''اصول تخریج اور دراسہ اسانید'' کا اردو ترجمہ اور بعض اہم ومفید اضافہ جات پر مشتمل ہے۔

☆......☆......☆

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

تخریج اور متعلقات تخریج...... چند اہم مباحث

مولانا گل فراز احمد

ہمارے دینی مدارس میں دوران تعلیم درجنوں علوم پڑھائے جاتے ہیں، جن میں سب سے اہم قرآن حدیث کا علم ہے۔ تحقیق وتخریج کا بنیادی تعلق حدیث رسول سے ہے لیکن اس میں حصر نہیں بلکہ دیگر علوم وفنون میں بھی تحقیق وتخریج کے مراحل پیش آتے رہتے ہیں۔

تفسیر قرآن ہو، حدیث رسول کی خدمت ہو، فقہ وفتویٰ کا معاملہ ہو یا تصنیف وتالیف سے واسطہ ہو...... فن تخریج کا جاننا ہر طالب علم کے لیے ضروری ہے۔ کیونکہ یہ فن سنت رسول کی معرفت کے لیے بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ خاص طور پر موجودہ زمانہ میں علوم شریعت سے تعلق رکھنے والے محققین کے لیے اس علم کی معرفت بے حد ضروری ہے ۔ اس فن کی معرفت سے حدیث رسول کی معرفت حاصل ہوتی ہے، فن حدیث کی بنیادی کتابوں کی معرفت، ان کی ترتیب، طریقہ تصنیف، اور ان سے استفادہ کی کیفیت کا پتا چلتا ہے، اسی طرح فنون حدیث کے دیگر علوم کی معرفت بھی حاصل ہوتی ہے، جن کی ضرورت تخریج حدیث میں پڑتی ہے، مثلاً: اسماء الرجال، جرح وتعدیل، علل حدیث وغیرہ۔ تخریج کا مقصد حدیث، مسائل فقہ، اقوال سلف یا علمی حوالہ جات کو ایک خاص معیار پر پرکھنا ہوتا ہے۔ مثلاً حدیث کے اصل مآخذ کا بیان، اس کے مختلف طرق پر بحث کرتے ہوئے اس پر صحت وضعف کے اعتبار سے حکم لگانا...... تخریج کے تین ارکان ہیں:

۱)...... حدیث کا اصل ماخذ تلاش کرنا۔

۲)...... سندوں کو جمع کر کے ان کی اور متن حدیث کی تحقیق کرنا۔

۳)...... حدیث کے صحیح یا ضعیف ہونے کا حکم لگانا۔

اس کا فائدہ یہ ہے کہ انسان سنی سنائی بات بیان کرنے سے بچ جاتا ہے۔ وہ جو حدیث ذکر کرے گا اس کا حوالہ ہوگا، اور اس کی لکھی بات معتبر ہوگی۔

علم تخریج کی نسبت تمام علوم کی طرف:

چناں چہ شرعی مسئلے کے حل کے لیے جانچ پڑتال کرنا ضروری ہے کہ جس حدیث پر مسئلے کی بنیاد رکھی ہے وہ ثابت بھی ہے یا نہیں؟! ۔ کسی حدیث کے بیان کرنے کے لیے حدیث کی سند پر اطلاع پائے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ جب سند

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

سامنے ہوگی تب رواۃ پر بحث ہوگی، ان مراحل سے گزرنے کے بعد ہی کوئی بھی محدث یا محقق مطلوبہ حدیث کی تحقیق تک پہنچ سکتا ہے۔اس بات میں کوئی شک نہیں کہ غیر مستند اور بے حوالہ بات کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی جبکہ باحوالہ اور مستند بات اپنی افادیت اور اہمیت رکھتی ہے۔کسی بات کے مستند ہونے کا تعلق اس سے بھی ہے کہ وہ بات کس کتاب میں ہے اور وہ کتاب کس پایہ کی ہے تاکہ انکار کرنے والے کو موقع نہ ملے، پھر کتاب کے نام اور صفحہ نمبر تک رسائی سے اس مقام کا پتا چلتا ہے۔اس رسائی دینے کے عمل کو تخریج اور حوالہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ڈاکٹر محمد طحان اپنی کتاب ''اصول التخریج ودراسات الاسانید'' کے صفحہ۱۲/تا۱۳/پر تخریج کی وضاحت کرتے ہوئے اس کے حسب ذیل معانی بیان کرتے ہیں:

۱......اصلی مصادر میں حدیث کے مقام کی دلالت بتانا جس میں اس کو سند کے ساتھ بیان کیا گیا ہو پھر ضرورت کے وقت اس کا مرتبہ بیان کرنا۔

۲......کسی چیز کو باضابطہ انداز سے لکھنا اور اس کا پورا حوالہ دینا تخریج کہلاتا ہے۔

۳......کتب فقہ وتفسیر وغیرہ کی احادیث کو جداگانہ مجموعوں میں جمع کرنا۔

۴......حدیث کی کسی کتاب سے خاص قسم کی احادیث مثلاً مرفوع، متصل، مرسل وغیرہ کو الگ کرنا۔

۵......حدیث کا حوالہ دینے کے لئے سب سے پہلے یہ دیکھنا کہ یہ حدیث ہمیں کہاں سے ملے گی، درست نشان دہی کے اس عمل کو ''تخریج حدیث'' کہتے ہیں۔

علامہ شیخ احمد بن محمد حسنی ادریسی مغربی (م:1380ہجری) ''حصول التفریج باصول التخریج'' میں لکھتے ہیں:

تخریج احادیث کو ان کتب کی طرف منسوب کرنا ہے جن میں وہ بیان ہوئی ہیں۔ان پر صحت اور ضعف، قبول ورَد کے لحاظ سے کلام کیا جائے اور ان میں موجود علل کو بیان کیا جائے یا محض اصل کی طرف منسوب کر دیا جائے۔(حصول التفریج باصول التخریج، ص 21)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ تخریج اور حوالہ میں اس بات کی طرف راہنمائی ہوتی ہے کہ وہ بات کہاں لکھی ہے اور اسے کس نے لکھا ہے؟!۔

تخریج کی اہمیت وضرورت:

تخریج اور حوالہ کی بہت زیادہ اہمیت ہے اور اہل فہم اس کی ضرورت کا انکار نہیں کر سکتے۔جو بات باحوالہ ہوتی ہے لوگ اس بات کو قبول کرنے میں جھجکتے نہیں۔دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

اصل مقام کی نشان دہی اور وہاں تک رسائی ہوجاتی ہے۔باحوالہ بات کی اہمیت اور افادیت بڑھ جاتی ہے۔تخریج سے بسااوقات کسی بات کے قبول یارد کا بھی پتا چلتا ہے۔منکر کو انکار کا موقع نہیں ملتا۔معترض اعتراض کرنے سے گریز کرتا ہے۔بغیر تخریج والی بات کو قبول کرنے میں اذہان سبقت نہیں کرتے اور اس کی اہمیت بھی زیادہ نہیں ہوتی بلکہ اکثر ایسی بات کو رد کردیا جاتا ہے۔بسااوقات تخریج سے کسی بات کا سیاق وسباق بھی پتا چل جاتا ہے۔

جلد تخریج کیسے کی جائے؟

بعض امور اور چیزیں ایسی ہیں جن کو مدنظر رکھ کر تخریج کی جائے تو یہ عمل قدرے آسان ہوجاتا ہے۔حوالہ جلد ملتا ہے اور وقت بھی بچتا ہے۔وہ امور حسب ذیل ہیں:

(۱) کتب حدیث کے آخر میں آج کل ''اطراف احادیث'' بھی ذکر کی جاتی ہیں۔ان کی مدد سے حدیث جلدی اور باآسانی مل جاتی ہے۔حدیث کے ابتدائی دو تین لفظوں کو اطراف احادیث سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

(۲) حدیث وفقہ کی کتابوں میں اکثر 'کتاب'،'ابواب'اور'فصول' ہوتی ہیں۔مطلوب حوالے کے مضمون پر غور کیا جائے کہ اس کا تعلق کس کس کتاب، باب یا فصل سے ہوسکتا ہے یوں بھی تخریج جلد مل جاتی ہے۔مثلاً کسی روایت میں عقیدہ، اخلاق اور فضیلت تینوں باتیں پائی جارہی ہوں تو وہ عموماً کتاب الایمان، کتاب الزھد، کتاب الرقاق یا کتاب الفضائل میں مل جایا کرتی ہے۔

(۳) مطلوب مضمون کو ذہن میں رکھتے ہوئے کتاب میں شامل فہرست مضامین سے ضرور استفادہ کیا جائے، ڈائریکٹ تلاش کرنے کے مقابلے میں اس طرح تخریج جلد مل جاتی ہے۔

(۴) سوفٹ ویئرز اور آن لائن مکتبوں کی مدد سے تخریج کرنا اور حوالہ تلاش کرنا بہت آسان ہوگیا ہے۔مطلوبہ لفظ سرچ کے آپشن میں ڈالا اور چند لمحات میں تخریج ہماری نگاہوں کے سامنے ہوتی ہے۔کچھ سوفٹ ویئرز اور آن لائن مکتبے یہ ہیں:

(۱) المصحف الرقمی، قرآن مجید میں تلاش کے حوالے سے ایک بہترین سوفٹ ویئر ہے۔(۲) مکتبۃ التفسیر وعلوم القرآن، قرآن مجید اور اس کی تفاسیر سے متعلق ایک منفرد سوفٹ ویئر ہے۔(۳) موسوعۃ الحدیث الشریف۔(۴) مکتبۃ السیرۃ النبویۃ۔(۵) مکتبۃ الاعلام والرجال۔(۶) مکتبۃ الفقہ واصولہ۔(۷) مکتبۃ الاخلاق والزھد۔(۸) المکتبۃ الوقفیۃ (۹) المکتبۃ الشاملہ، یہ ایک جامع لائبریری ہے۔یہ صرف ایک ذخیرہ کتب نہیں بلکہ اس میں اپنی ضرورت کے مطابق اضافہ اور کمی بھی کرسکتے ہیں۔

(۵) کمپیوٹر نیٹ ورکنگ کا نظام موجودہ دور میں حوالہ وتخریج تلاش کرنے والوں کے لئے آسان ترین اور تیز ترین ذریعہ ہے۔آپ گوگل کے سرچ انجن میں کوئی لفظ یا جملہ ڈالتے ہیں اور چند سیکنڈ میں بہت سارے نتائج آپ کے سامنے ہوتے ہیں۔

متروکہ اور مشکل تخریجات کے حوالے سے راہنمائی:

بسا اوقات کوئی تخریج بار بار ڈھونڈنے کے باوجود نہیں مل رہی ہوتی ہے یا تخریج مشکل ہونے کی وجہ سے چھوڑ دی جاتی ہے۔تخریج نہ ملنے کی کئی وجوہات ہوتی ہیں۔کبھی تلاش کرتے ہوئے درست الفاظ کو مدنظر نہیں رکھا جاتا۔

کبھی مطلوب بات کو ہم صحیح طور پر سمجھ نہیں پاتے جس کی وجہ سے تخریج کرنے میں مشکل ہوتی ہے۔

جس چیز کی تخریج کر رہے ہوتے ہیں وہ بات ان الفاظ سے تو نہیں مل رہی ہوتی لیکن اس سے ملتے جلتے الفاظ سے مل جاتی ہے۔ایسی صورت میں ان ملتے جلتے الفاظ سے تخریج کر دینی چاہیے اور آخر میں مفہوماً یا بتغیر کا اضافہ کر دیا جائے۔کبھی کتاب سے کوئی بات نہیں مل رہی ہوتی ہے مگر سوفٹ ویئرز اور نیٹ کے ذریعے وہ بات مل جاتی ہے۔

تخریج کرنے میں غلطیاں اور مشکلات:

حوالہ دینے اور تخریج کرنے میں کبھی جلد بازی، کبھی غور وفکر نہ کرنے، کبھی بات کو نہ سمجھنے اور کبھی کتابت وکمپوزنگ وغیرہ کے سبب غلطیاں ہو جاتی ہیں۔اسی طرح کبھی مؤلف سے تسامح یا پھر ناشر کی غفلت کی وجہ سے حوالہ غلط درج ہو جاتا ہے۔

کبھی کسی کتاب کا حوالہ مؤلف کی کتاب سے پہلے والی کتابوں میں نہیں ملتا تو بعد والی کسی کتاب سے حوالہ نقل کر دیا جاتا ہے۔حوالہ نقل کرنے والے کی غفلت کہیں یا پھر بھول، جس کتاب سے حوالہ منقول ہوتا ہے وہ بات اسی کتاب کے حوالے سے وہاں منقول ہوتی ہے۔

مثلاً ''قوت القلوب'' کی کسی روایت کی تخریج ''اتحاف السادۃ المتقین'' سے کی جائے اور وہاں اس روایت کے ذکر کے بعد یہ ہو کہ اس روایت کو امام ابو طالب مکی نے ''قوت القلوب'' میں ذکر کیا ہے اور اس کے علاوہ کوئی حوالہ نہ ہو۔گویا اس صورت میں ہم ''قوت القلوب'' کی تخریج ''قوت القلوب'' سے ہی کر رہے ہیں اور ایسا کرنا درایت اور اصول تخریج کے خلاف ہے۔

اس طرح کی بہت سی چیزیں حوالوں کی چھان بین کے دوران سامنے آتی ہیں۔

تخریج کرنے اور حوالہ دینے میں یہ غلطی بھی ہوتی ہے کہ غیر مستند کتاب سے حوالہ دے دیا جاتا ہے۔

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

تخریج حدیث میں مدارج کتب (مصادر اولی):

حدیث کی تخریج کرتے ہوئے کتب حدیث کے مدارج کو بھی دیکھا جاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے یہ حدیث فُلاں حدیث کی کتاب میں ہے۔حدیث کی کتابوں میں سب سے بڑا مرتبہ بخاری شریف کا ہے جسے اَصَحُّ الْکُتُبِ بَعْدَ کِتَابِ اللّٰہ (یعنی قرآن پاک کے بعد صحیح ترین کتاب) کہا گیا ہے۔پھر صحیح مسلم اوراس کے بعد سنن اربعہ(سنن ترمذی،سنن نسائی،سنن ابوداود،سنن ابن ماجہ) کا مرتبہ ہے۔بعض علماء نے ''سنن ابن ماجہ'' کی جگہ ''موطا امام مالک'' یا ''سنن دارمی'' کا رُتبہ بیان کیا ہےاور بعض اہل علم نے ''ابن ماجہ'' کے بعد ''موطا امام مالک'' یا ''سنن دارمی'' کا ذکر کیا ہے۔(الرسالۃ المستطرفۃ،ص82)

صحاح،سنن،مسانید،معاجم،مصنف اور موطا کی وضاحت:

''صحاح'' صحیح کی جمع ہے،اس سے مراد وہ کتابیں ہیں جن کے مصنفین نے صحیح احادیث جمع کرنے کا التزام کیا ہے۔صحیح وہ حدیث ہے جس کے تمام راوی عادل اور تام الضبط ہوں،اس کی سند ابتدا سے انتہا تک متصل ہو نیز وہ حدیث علّتِ خفیہ قادحہ اور شذوذ سے بھی محفوظ ہو۔(تیسیر مصطلح الحدیث،ص23)

''سنن'' سے مراد حدیث کی وہ کتابیں ہیں جن میں ابواب فقہ کی ترتیب پر فقط احادیثِ احکام جمع کی گئی ہوں۔

''مسانید'' سے مراد حدیث کی وہ کتابیں جن میں ہر صحابی کی مرویات الگ الگ جمع کی جائیں۔

''معاجم'' حدیث کی وہ کتابیں جن میں اسمائے شیوخ کی ترتیب سے احادیث لائی جائیں۔(تیسیر مصطلح الحدیث،ص128)

''مصنف اور موطا'' حدیث کی وہ کتاب جس میں ترتیب ابواب فقہ پر ہو اور احادیثِ مرفوعہ کے ساتھ موقوف ومقطوع احادیث بھی مذکور ہو۔(جامع الاحادیث،1/567)

کتب صحاح،سنن اور مسانید (مصادر ثانیہ):

کتب صحاح،سنن اور مسانید بہت ساری ہیں ان میں سے کچھ یہ ہیں:

صحاح:......(۱)منتقی الاخبار(۲)صحیح ابن سکن(۳)الاحادیث المختارہ(۴)صحیح ابن حبان(۵)صحیح ابن خزیمہ وغیرہ۔

سنن:......(۱)سنن الدارقطنی(۲)سنن الکبری للنسائی(۳)سنن الکبری والصغری للبیہقی(۴)معرفۃ السنن والآثار للبیہقی(۵)مسند رویانی(۶)الادب المفرد للبخاری(۷)مستدرک للحاکم(۸)سنن سعید بن منصور

(۰۱) شرح السنہ للبغوی وغیرہ۔

مسانید:......(۱) مسند امام احمد (۲) مصنف عبدالرزاق (۳) مصنف ابن ابی شیبہ (۴) مسند شافعی (۵) مسند حمیدی (۶) مسند ربیع (۷) مسند عبداللہ بن مبارک (۸) مسند ابن شیبہ (۹) مسند طیالسی (۰۱) مسند اسحاق بن راہویہ (۱۱) مسند بزار (۲۱) معاجم و مسند الشامیین للطبرانی (۳۱) مسند ابی یعلی (۴۱) مسند ابن الجعد (۵۱) مسند شہاب (۶۱) مسند حارث (۷۱) مسند ابی عوانہ وغیرہ۔

امام ابو القاسم طبرانیؒ (وفات 360 ہجری) کی معاجم (معجم کبیر، معجم اوسط، معجم صغیر) اور مصنفین (مصنف عبد الرزاق اور مصنف ابن ابی شیبہ) مسانید کے درجے میں ہیں۔ مسانید میں سب سے اعلیٰ درجہ مسند امام احمد کا ہے۔

بعض وہ کتب جن سے حوالے دیئے جاتے ہیں (مصادر ثالثہ):

(۱) حلیۃ الاولیاء (۲) کُتب ابن ابی الدنیا (۲) کتب ابو الشیخ (۳) محدثین کی کتب زہد وغیرہ۔

کتب تخریج:......(۱) جامع الاصول لابن اثیر جزری (۲) الترغیب والترہیب للمنذری (۳) اتحاف الخیرۃ المھرۃ للبوصیری (۴) کنز العمال (۵) مجمع الزوائد (۶) جمع الجوامع اور جامع الاحادیث و جامع الصغیر للسیوطی وغیرہ

کتب تاریخ و اسماء الرجال:......(۱) الکامل لابن عدی (۲) تاریخ بغداد (۳) ابن عساکر (۴) کتاب الثقات لابن حبان (۵) معرفۃ الصحابہ لابی نعیم (۶) معجم الصحابہ للبغوی وغیرہ

شروحاتِ حدیث:......(۱) شرح صحیح مسلم للنووی (۲) شرح بخاری للکرمانی (۳) عمدۃ القاری (۴) فتح الباری (۵) ارشاد الساری (۶) شرح بخاری لابن بطال وغیرہ۔

فقہ حنفی کی تخریج میں مدارج کتب:

فقہ حنفی کی کتابوں کی بات کریں تو کتب حدیث کی طرح ان کے بھی مدارج ہیں۔ فقہ حنفی کی کتابوں میں پہلا مرتبہ متون کا ہے۔

''متون'' وہ کتابیں کہلاتی ہیں جو نقل مذہب کیلئے لکھی گئی ہیں۔ ان کتابوں میں کتب اصول سے مسائل ذکر کئے جاتے ہیں۔ کتبِ اصول امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ (وفات 189 ہجری) کی چھ کتابیں ہیں: (1) جامع کبیر (2) جامع صغیر (3) مبسوط (اسے ''اصل'' بھی کہتے ہیں) (4) زیادات (5) سیر کبیر (6) سیر صغیر۔ ان کتب کو چونکہ فقہ حنفی میں فتوی اور اجتہاد کیلئے اصل اور مرجع ہونے کی حیثیت حاصل ہے اس لئے انہیں اصول کہا جاتا ہے۔ (پیش لفظ، فتاوی شامی (مترجم)، جلد اول، ص 25) نیز ان کتابوں کو ظاہر الروایہ بھی کہا جاتا ہے، ظاہر الروایہ

کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کتابوں میں درج مسائل امام محمد رَحْمَةُ اللّٰہِ عَلَیْہ سے ثقہ لوگوں نے بیان کی ہیں اور جن کا ثبوت تواتر اور شہرت سے ہے۔ (ردالمحتار، مطلب رسم المفتی، 1/163) ان کتب اصول اور ظاہر الروایہ کے مسائل کو امام محمد حاکم شہید رَحْمَةُ اللّٰہِ عَلَیْہ (ت 334ہجری) نے اپنی کتاب کافی میں جمع کر دیا ہے۔ (رد المحتار، مطلب رسم المفتی، 1/167) متون کے بعد شروحات اور اس کے بعد فتاوی کا رُتبہ ہے۔

کتبِ متون:...... جیسے مختصر الطحاوی، مختصر الکرخی، قدوری، کنز، وافی، نقایہ، اصلاح، مختار، مجمع البحرین، مواہب الرحمن، ملتقی، ہدایہ اور اس کے علاوہ دیگر جو نقل مذہب کے لئے لکھی گئی ہیں۔

کتبِ شروح:...... کتبِ اصول کی شرحیں جو ائمہ نے لکھیں، مبسوط امام سرخسی، بدائع ملک العلماء، تبیین الحقائق، فتح القدیر، عنایہ، بنایہ، غایۃ البیان، درایہ، کفایہ، نہایہ، حلیہ، غنیّۃ، البحر الرائق، النہر الفائق، درر احکام، دُر مختار، جامع المضمرات، جوہرہ نیرہ، ایضاح، غنیّۃ، شرنبلالی، حواشی خیر الدین رملی، رد المحتار، منحۃ الخالق وغیرہ۔

کتبِ فتاویٰ:...... خانیہ، خلاصہ، بزازیہ، خزانۃ المفتین، جواہر الفتاوی، محیطات (محیط برہانی اور محیط سرخسی)، ذخیرہ، واقعاتِ ناطفی، واقعات صدر شہید، نوازل، مجموع النوازل، ولوالجیہ، ظہیریہ، عمدہ، کبری، صغری، تتمۃ الفتاوی، صیرفیہ، فصول عمادی، فصول استروشنی، جامع صغار، تاتارخانیہ، ہندیہ، فتاوی خیریہ، العقود الدریہ۔

نوٹ: کتب فتاوی میں سب سے پہلے لکھی جانے والی کتاب امام ابواللیث سمرقندی رَحْمَةُ اللّٰہِ عَلَیْہ کی کتاب ”نوازل“ ہے۔

بقیہ: فن اسماء الرجال

اس کا تصور بھی شاید نہ کیا جا سکے جب ہماری یہ حالتِ زار ہو، لیکن ذرا غور کر کے سوچنا چاہئے کہ یہ جملہ ہماری زبان پر کیوں آتا ہے؟ کہ یہ تو اُن لوگوں کا کام تھا، دنیوی اُمور میں تو ایڑی چوٹی کا زور لگا کر ایک دوسرے سے آگے بڑھنے میں جان لیوا اور سر توڑ کوششیں کرتے ہیں، کسی نے یہ نہیں کہا کہ قومِ عاد و ثمود کو تو اللہ نے لمبی چوڑی اور مضبوط جسامت دی تھی، بے مثال قوت عطاء فرمائی تھی، ہم تو کمزور و ناتواں ہیں، نہیں! نہیں! وہ اگر پہاڑ تراش کر گھر بنا سکتے تھے تو ہم بھی سنگلاخ پہاڑوں کی زنجیر توڑ کر نہریں کھود سکتے ہیں، سڑکیں بنا سکتے ہیں، ان کی مضبوط جڑیں اور بنیادیں کھوکھلی کر کے معدنیات نکالنے میں کسی سے پیچھے نہیں، پھر کیوں اسلاف کے آباد کئے ہوئے سرسبز و شاداب دبستانوں میں داخل ہونے سے گھبراتے ہیں؟۔

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

طلباء کرام چھٹیاں کیسے گزاریں

فضلائے کرام کی خدمت میں چند گزارشات

حافظ محمد اقبال بن شیر محمد

ابھی کل کی ہی تو بات ہے کہ نئے تعلیمی سال کی ابتدا، میں آپ اپنے جامعہ میں تشریف لائے تھے، پلک جھپکتے ہی سال اختتام کو پہنچا، اب جب کہ تعلیمی سال کا اختتام بالکل سروں پر ہیں اور تعطیلاتِ سنویہ کی آمد آمد ہے تو مفید معلوم ہوا کہ سال کی انتہا اور تعطیلات کے بہتر سے بہتر گذارنے سے متعلق کچھ باتیں طلبا ساتھیوں کے گوش گذار کر دوں، شاید کہ کسی کے سامنے اُس کے فائدے کی کوئی بات آجائے اور وہ اُس پر عمل پیرا ہو کر اپنے اس فرصت کے زمانے کو بھی قیمتی بنالے۔

معافی تلافی کرلیں...... پہلا کام معافی تلافی کا ہے......اللہ تعالیٰ سے معافی اور حصول علم میں کوتاہی اور دیگر کمی بیشی پر توبہ۔ تمام ہم سبق ہم سفر طلبہ سے بھی معافی تلافی کرلیں، کسی کا حق ہے تو اس کو واپس کریں۔ لفظی کوتاہی اور دیگر امور میں تمام۔ طلبا سے معافی مانگیں۔ جانے دوبارہ آپس میں ملاقات ہو سکے گی کہ نہیں۔

خروج فی سبیل اللہ...... تعطیلات کے دوران اپنے اندر صفاتِ حسنہ پیدا کرنے کے لیے، اپنے ایمان کو درجہ کمال تک پہنچانے کے لیے، اپنے اندر پائی جانے والی اعمالِ صالحہ کی کمی دور کرنے کے لیے اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سپرد کی گئی دعوت وتبلیغ کی ذمہ داری کو بحسن وخوبی ادا کرنے کے لیے مطلوبہ استعداد اپنے اندر حاصل کرنے کی غرض سے دعوت وتبلیغ کے لیے نکلنے والی جماعتوں کے کاروان میں شامل ہو جائیں، سارا سال اغلب طور پر علمِ الٰہی کے حصول میں اور تعطیلات کا زمانہ اس علمِ الٰہی کی تبلیغ، ترویج اور اشاعت میں گزار لیا جائے تو تجربات، مشاہدات اور حضراتِ اکابرین کے ملفوظات کی روشنی میں بالجزم کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خاص فضل فرمائیں گے۔

علمی دوروں میں شرکت...... تیسرا کام مختلف الانواع کے علمی دوروں میں شرکت ہے، اگر کوئی طالبِ علم کسی بنا پر جماعتِ تبلیغ کے ساتھ نہ جا سکتا ہو تو پھر اُس کے لیے میری گزارش ہے کہ وہ ملک بھر کے مدارسِ دینیہ میں منعقد ہونے والے مختلف الانواع علمی دوروں (مثلاً: دورہ صرف ونحو، دورہ تفسیر، دورہ منطق، دورہ سراجی ومیراث، دورہ

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

لغۃ العربیہ، دورہ ردفرق وادیانِ باطلہ، دورہ ردقادیانیت، دورہ فلکیات، دورہ صحافت، دورہ خطابت وغیرہ) میں سے اپنے اساتذہ سے مشورہ کرکے اپنے مناسبِ حال کسی دورے کا انتخاب کرکے اُس میں شرکت کریں۔ عام طور پر ان دوروں کے انعقاد کا دورانیہ تیس سے چالیس دن کا ہوتا ہے۔ اس مختصر سے عرصے میں ماہرِ فن اور سالہا سال سے تجربہ رکھنے والے علماء کرام اپنے تجربات کی روشنی میں متعلقہ موضوع کی مبادیات سے لے کر پورے فن کا خلاصہ شرکائے دورہ کے سامنے رکھتے ہیں۔ اس لیے اس سے ضرور فائدہ اٹھائیں۔

یہ چند عادتیں آپ کا مقدر سنوار دیں گی:

☆......صبح سویرے نمازِ فجر کے لیے از خود اُٹھنے کا اہتمام کرنا، پانچوں نمازیں، باجماعت، مسجد میں، تکبیرِ اولیٰ کے ساتھ، پہلی صف میں ادا کرنے کی حتی الوسع کوشش کرنا۔

☆......مسجد میں ہونے والے تبلیغی اعمال کا اہتمام کرنا، اور نمازوں کے بعد ہونے والے دروسِ قرآن و دروسِ حدیث میں شرکت کرنا۔

☆......مسجد کے ائمہ، علاقے کے قدیم کبار علماء کرام کی ملاقات کی غرض سے ان کی خدمت میں حاضر ہونا، اگر وسعت ہو تو ان کی شان کے مطابق، وگرنہ اپنی حیثیت کے مطابق، ان کے لیے کوئی معقول ہدیہ لے کر جانا، اُن سے مختلف امور میں مشاورت کرنا، اپنی تعلیمی و تبلیغی کارگزاری ان کے سامنے بیان کرنا۔

☆......اگر اپنے علاقے کی مساجد میں نماز باجماعت کا اہتمام نہ ہوتا ہو تو اس کا انتظام کرنا، اگر درس وغیرہ یا تبلیغی اعمال نہ ہوتے ہوں تو مقتدر حضرات کو اپنا ہم نوا بنا کر ان اعمال کو شروع کرنا۔ اگر کہیں جمعہ پڑھانے کا موقع ملے تو خوب اچھی طرح تیاری کر کے جمعہ پڑھانے کا اہتمام کرنا۔

☆......ان تمام مذکورہ اعمال میں دیگر طلبہ مدارس کو اپنے ساتھ شریک رکھنا۔

☆......اگر اپنی قراءت میں کمزوری ہو تو کسی ماہر قاری صاحب سے بات کر کے اپنی تعطیلات کے اعتبار سے جامع و مانع ترتیب بنانا۔

☆......کسی ماہر کاتب سے مسلسل اور خوب اہتمام سے مشق لے کر اپنا خط سنوارنا۔

☆......کسی کمپیوٹر کے ماہر سے کمپوزنگ سیکھنے کی تربیت لینا۔ ایک عالمِ دین کے لیے موجودہ دور میں یہ مہارت بہت نفع کی چیز ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ کمپیوٹر کے مفاسد سے بچتے ہوئے اس کا صحیح استعمال بہت ہی نافع ہے۔

☆......گھر کے کام کاج میں گھر والوں کا ہاتھ بٹانا، سودا سلف لا کر دینا، گھر سے متعلق انتظامی امور میں بے جا دخل اندازی کی بجائے حسنِ تدبیر سے کام لیتے ہوئے اصلاحِ احوال کی کوشش کرنا، گھر میں مروج غیر شرعی

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

امور (ٹی وی، وی سی آر، بے پردگی وغیرہ) میں بہت سوچ سمجھ کر، اَحسن طریقے سے، بتدریج تبدیلی لانے کی کوشش کرنا، اس تبدیلی کی ابتدا، انفرادی ترغیب کا راستہ اختیار کر کے ذہن سازی کے ساتھ آسان ہو جائے گی، لیکن یاد رکھیں، اس تبدیلی کے لیے اہم ترین اقدام اس وقت ہی ممکن ہو سکے گا، جب آپ خود اپنی ذات کے اعتبار سے ان محارم سے اجتناب کرنے والے ہوں گے، وگرنہ ہر تدبیر رائیگاں جائے گی۔

روزانہ والدین کے لیے کچھ وقت فارغ کر کے خاص ان کے پاس بیٹھنا، ان کی سننا اور اپنی سنانا، ان کی جسمانی خدمت کرنا (یعنی: سر، پاؤں، کندھے دبانا) اُن کے ساتھ حسنِ سلوک اختیار کرنا۔

☆......تمام رشتے داروں کے پاس اُن کے مقام پر ملاقات کے لیے جانا، رشتہ داروں میں غیر محرم عورتوں سے بہر صورت شرعی پردہ کرنا۔

علاقے میں موجود اپنے قدیم و جدید اساتذہ کے پاس ملاقات کے لیے جانا، اگر ان کے پاس جانا ممکن نہ ہو تو کم از کم ٹیلی فون پر تو ضرور رابطہ کرنا۔

☆......ہر خاص و عام سے سلام میں پہل کرنا۔

☆......غیر نصابی کتب بالخصوص اکابرین کی سوانح وغیرہ کا مطالعہ بھی کیا جائے۔

آپ دین اور دینی مدارس کے داعی ہیں، آپ کی ہر ادا اور ہر لفظ دعوت ہے، آپ کو دیکھ کر یا آپ کی گفتگو سن کر لوگ کہیں دینی مدارس کے بارے میں منفی رائے قائم نہ کریں، بلکہ آپ کے اخلاق گفتار اور عادات دیکھ کر اہل محلّہ اپنے بچوں کو مدارس کے لئے تیار کریں۔

جدید فضلاء کے لیے چند رہنما باتیں:

یہ باتیں تو عام طلبہ کے لئے تھیں جنہوں نے دو ماہ کی چھٹیاں گزار کر واپس مدرسوں میں چلے جانا ہے، کچھ ان علماء کے لئے جو دینی کام کے لئے عملی میدان میں آنا چاہتے ہیں۔ اس سے یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ دینی کام صرف مدارس، مساجد میں کرنا ضروری نہیں آپ کسی بھی شعبہ میں جا کر دیانت داری اور شرعی اصولوں میں رہ کر کام کریں گے تو یہ سب دینی کام ہے، بالخصوص تجارتی میدان علماء کیلئے وسیع اور کھلا میدان ہے جبکہ تجارت سے حاصل آمدنی سب سے زیادہ بابرکت آمدنی ہے۔

چونکہ ایک عالم دین عام طور پر مساجد یا مدارس، جانے کو ترجیح دیتا ہے اس لئے زیادہ تر موضوع اسی کو بنا کر گزارشات پیش کی ہیں۔ ساتھ یہ بتانا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ جو ثواب بخاری شریف پڑھانے میں ہے اس سے

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

زیادہ ثواب قاعدہ، قرآن مجید پڑھانے اور بنیادی تعلیم دینے میں بھی ہے۔اس لئے ترجیحات میں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کو مدنظر رکھیں، شعبہ کوئی بھی ملے، قاعدہ ہو، ناظرہ ہو، حفظ یا شعبہ کتب ہو۔

بچوں کی دینی تعلیم کے لیے مکاتب قائم کریں:

میرے خیال میں اس وقت جس میدان میں سب سے زیادہ کام کرنے کی ضرورت ہے وہ ہر محلے میں بنیادی دینی تعلیم ہے جس سے اس وقت بھی معاشرے کے 95 فیصد بچے محروم ہیں۔ ہمارے پاس ان کے لئے کوئی پروگرام نہیں ہے۔ کچھ عرصہ قبل دہلی میں علماء نے تین روزہ کانفرنس کی، تین دن غور وفکر کے بعد یہ اعلامیہ جاری ہوا، کہ بچوں کیلئے ھر محلے میں دینی اور بنیادی تعلیم کے لئے انتظام کرنا فرض ہے......آج ہم اس فریضہ سے بحیثیت امت غافل ہیں۔ایک صالح اور دیندار معاشرہ کے قیام کے لیے ہر محلے میں مکتب سسٹم ہی موثر ذریعہ ہے، جبکہ تعلیم حاصل کرنے کا اصل مقصد اسلامی معاشرے کے قیام کی کوشش ہے۔

معاشی استحکام کے لیے منصوبہ بندی کریں:

دوسری بات نوجوان علماء کیلئے فکر معاش ہے ......خاص طور پر عہد حاضر میں علما کا معاشی اعتبار سے ناآسودہ ہونا دین کے معاملے میں کئی فتنوں کا در کھلنے کا سبب ہے۔ مدارس میں روحانی تربیت کا نظم آج بہت کمزور ہے جس کے وجہ سے زہد فی الدنیا کی کیفیات راسخ ہوتی تھیں۔ پہلے معاشرے میں دینی طلب عام تھی تو بہت سے اہل ثروت انہیں فکر معاش سے بے نیاز رکھنا اپنی سعادت سمجھتے تھے تاکہ وہ خدمت دین کے لیے یکسو ہوں، آج صورت حال مختلف ہے، ایک مضبوط علمی استعداد والے انسان سے استفادے میں بھی لوگوں کو خاص رغبت نہیں؛ تو اس شخص کے بارے میں کیا کہا جائے گا جس کی علمی اور عملی استعداد میں لوگوں کے لیے کوئی کشش باقی نہیں ہے۔معاشی لحاظ سے اس ناآسودگی کا نتیجہ ہے کہ کئی شعبہ جات سے قابل اور ذی استعداد علماء مدارس چھوڑ کر دیگر اداروں میں جانے کو ترجیح دے رہے ہیں۔ یہ بات مدارس کے لئے المیہ ہے، اس لیے طالب علمی میں طلبہ کو اس بارے میں اللہ سے کثرت سے دعا کرنی چاہیے کہ معاشی ضرورت کے لیے اللہ کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے سے بچائے۔اللہ تعالیٰ طالب علم کی صدق دل سے مانگی دعائیں ضرور سنتا ہے اور دوسرے عملی پہلو سے مستقبل کا کوئی نقشہ ذہن میں ہونا چاہیے۔

دوران تعلیم مسلسل دس بارہ سال ایک چھت تلے فکر معاش سے بے نیاز شفیق اور مخلص اساتذہ کے نگرانی اور صحبت کے بعد فارغ التحصیل علماء میں دینی خدمت کا ایک زبردست جذبہ موجزن ہوتا ہے۔اور اسی جذبے کے نتیجے میں طلبہ عملی میدان میں بھی فکر معاش سے بے پرواہ دیوانوں کی طرح مست ہو کر، کسی جگہ مصروف عمل ہو کر اپنی زندگی

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

کوایک بہت بڑے مقصد کے لئے وقف کرلیتے ہیں۔اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ زندگی وقف کرنا قربانی کا متقاضی ہے؛لیکن بغیر پلاننگ کے قربانی دینے کا انجام بھیانک نتائج کی صورت میں بھگتنا پڑتا ہے۔

نہ صرف دنیاوی اعتبار سے بلکہ ایمانی اوراُخروی اعتبار سے بھی،کیوں کہ انسان کے پاس زندگی بہت بڑا سرمایہ ہے،بالخصوص عمر کا وہ حصہ جوبیس پچیس سال سے پینتالیس سال تک کا بہت بڑا سرمایہ ہوتا ہے۔زندگی کے اس حصے میں محنت پرآپ کا اپنااوراہل وعیال کا دارمدار ہوتا ہے......اس درمیانی زندگی میں انسان پوری طرح مستعد بلندو بالا جذبوں سے سرشار ہوتا ہے۔بڑے سے بڑا کارنامہ،مشکل سے مشکل کام اور ناممکن کوممکن بنانے کا وقت ہوتا ہے......زندگی کے اس خاص اورقیمتی حصہ کوکارآمد بنانے کا دارومدارآپ کی ابتداء...... پہلے قدم......اوراولین انتخاب پر ہے۔کیوں کہ جب آپ پہلاقدم صحیح سمت اٹھائیں گےتوکسی نہ کسی دن اپ منزل تک پہنچ جائیں گے۔اگر پہلاقدم ہی غلط اٹھایا،کئی سال سفر کے بعدنہ واپس پلٹنے کاوقت ہوتاہےاورنہ آگے بڑھنے کا راستہ......یہ امتحان کا وہ مرحلہ ہوتا ہے کہ انسان سوچنے اورسمجھنے کی صلاحیت کھوجاتا ہے......اس لئے پہلاقدم اٹھاتے ہوئے ایک تو ترقی کے منازل اور مواقع آپ کے سامنے ہوں۔دوسرایہ ہے کہ مضبوط معاشی استحکام کامنصوبہ بھی اپ کے ذہن میں ہو۔نام اورسکہ ان کا چلتا ہے جنکے پاس اپنے مراکزاوروسائلِ معاش مضبوط ہیں۔

کسی خاص شعبہ کاانتخاب:

انسان میں کچھ خداداد صلاحیتیں ہوتی ہیں۔ان صلاحیتوں سے پورافائدہ اٹھانے اوراپنے آپ کوکارآمدانسان بنانے کیلئے یہ دیکھیں کہ آپ میں کس چیز کی صلاحیت زیادہ ہے؟۔تدریسی صلاحیت ہےتو پوری طرح اس میں لگ جائیں،انتظامی صلاحیت ہےتواس راستے کاانتخاب کریں۔وعظ وتقریر کا ملکہ ہےتواس جانب قدم بڑھائیں۔

سماجی اوررفاہی کام میں مہارت ہےتواس میدان کاانتخاب کریں،اس طرح کرنے سے ایک بہت بڑافائدہ یہ ہوگا کہ جوسفردوسرے شعبوں میں بیس سال میں طے ہوگا،مناسبت اورخداداد صلاحیتوں کے مطابق فطری راہوں پر بیس سال والاسفردس سال میں مکمل ہوجائے گا۔

کسی اِدارے وابستہ ہوں تو باقاعدہ معاہدہ کریں:

بنیادی قدم کے ساتھ کئی جہتوں سے دیکھیں اور باریک بینی سے جائزہ لے کر پھر جہاں کام کرنا ہو......مہتمم، ادارے اورانتظامیہ کے ساتھ بنیادی معاملات طے کرنا قطعا اخلاص کے منافی نہیں بلکہ عین اخلاص اورشریعت کا تقاضا بھی ہے۔وقت،کام کی نوعیت اورتنخواہ یہ سب پہلے سے طے کروائیں۔جب تنخواہ لیناجائزہےتو طے کرنا کیوں

ناجائز؟اس لئے حسب موقع اور محل تحریری معاھدہ مستقبل کے سفر میں نزاع اور پریشانی سے بچنے اور تعمیر وترقی کیلئے لازمی ہے۔نہ کسی نے مفت کا مکرنا ہے نہ کوئی مفت تنخواہ دیگا۔تو اخلاص کے نام پر مستقبل کی پریشانیوں کو پردے میں چھپانے کی ضرورت نہیں۔

ایک سے زائد جگہوں پر کام کرنے کو، ترجیح دیں اس، سے اپ کو کئی فوائد ملیں گے۔صلاحیتوں میں نکھار اور معاشی ضرورتوں کی بآسانی تکمیل ہوگی۔اس لئے ادارے کے ساتھ۔وقت اور کام کی نوعیت کے بارے میں تفصیل سے طے ہو، بعد میں بیشک زیادہ وقت دیں اور، کام طے شدہ معاہدے سے زیادہ کریں۔

دیگر معاملات کے ساتھ ساتھ چھٹی، آنے جانے کے معاملات طے کرنا ضروری ہے......جبکہ معاشرے کے ایک فرد ہونے کے علاوہ گھریلوے ذمہ داریاں، مجبوریاں، بیماری، غمی اور شادی سارے مسائل سے جس طرح عام لوگوں کا واسطہ ہے اسی طرح علماء کو بھی واسطہ پڑتا ہے۔ان ضرورتوں کے علاوہ ایک امام کا کئی جہتوں سے لوگوں کے ساتھ تعلق ہوتا ہے۔مذہبی پروگرام اور دینی اجتماعات میں آنا جانا لگا رہتا ہے، نکاح اور جنازوں کا سلسلہ بھی چلتا رہتا ہے۔ان کاموں میں کبھی پورا دن بھی لگ جاتا ہے۔کبھی نمازوں میں حاضری ممکن نہیں رہتی، بہتر تو یہی ہے کہ ذی استعداد عالم پابندی اپنے سر نہ لیں اور صرف خطبہ جمعہ کا معاہدہ کریں۔اگر اس طرح ممکن نہ ہو تو کم ازکم یہ معاہدہ کریں کہ وقت پر نماز میری ذمہ داری ہے باقی میرا موجود ہونا ضروری نہیں، اسی طرح سالانہ ماہانہ ہفتہ وار چھٹیاں بھی متعین کریں اور ساتھ دیگر اداروں کی طرح یہ شرط بھی متعین کریں کہ جو چھٹیاں نہ کریں تو کئی مہینوں بعد یا کئی سال بعد یک مشت ایک دفعہ جمع کر کے کرسکیں گے۔۔اس سے فائدہ یہ ہوگا کہ اپ یہ چھٹیاں کئی مزید دینی کاموں میں صرف کرسکتے ہیں۔

ابتدائی ہی سے کوشش اور جدجہد کریں کہ زمانے کیساتھ آگے بڑھے۔دین اور دنیا میں ترقی کیلئے کوشاں رہیں۔

تمام معاہدات تفصیل سے طے کرنے کے بعد پوری قوت کے ساتھ مخلصانہ اور خیر خواہانہ طور پر دینی کاموں میں صلاحیتوں کو صرف کرنا اپنی خوش نصیبی سمجھیں۔

آخری بات اپنے اساتذہ کرام سے بلاتعطل اور بلاغرض رابطہ میں رہیں اور وقتاً فوقتاً ان سے رہنمائی لیتے رہا کریں، نیز حالات اور ماحول کو دیکھتے ہوئے متبع سنت پیرومرشد سے بیعت کرنے میں دیر نہ کریں روحانی ترقی کے لئے پیرومرشد جبکہ علمی ترقی کے لئے اساتذہ سے مسلسل رابطہ کرنا دین اور دنیاوی طرقی کے لئے نہ صرف مفید ہے بلکہ فی زمانہ ضروری اور فرض کے درجے میں ہے۔جزاکم۔اللہ خیراًاحسن الجزا۔☆☆

معاصر سے انتخاب

دینی مدارس کے طلبا نسبتاً سنجیدہ کیوں ہیں؟

جناب آصف محمود

اس بات پر متعدد اہل علم کا اتفاق ہے کہ دینی مدارس کے طلباء جدید تعلیمی اداروں کے طلباء کی نسبت زیادہ سنجیدہ ہیں، ان کا علمی ذوق بہتر ہے، وہ اہم قومی امور پر غور وفکر کی زیادہ اہلیت رکھتے ہیں اور ان کے رویوں میں متانت اور ٹھہراؤ جدید تعلیمی اداروں کے طلباء کی نسبت بہت زیادہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس کی وجوہات کی ہیں؟

یہ بات کسی مفروضے پر مبنی نہیں بلکہ میرے مشاہدے کی ہے کہ دینی مدارس کے طلباء کے رویوں میں فکری پختگی زیادہ ہے۔ برادر مکرم ڈاکٹر محمد مشتاق، برادرم ڈاکٹر حسن الامین اور جناب خورشید ندیم سمیت کئی شخصیات ایسے ہی خیالات کا ظہار کر چکی ہیں کہ ان کے مشاہدے کے مطابق روایتی دینی مدارس کے طلباء جدید تعلیمی اداروں کے طلباء سے کہیں زیادہ سنجیدہ علمی رجحان اور افتاد طبع کے حامل ہیں۔ سوال وہی ہے کہ اس کی وجہ کیا ہے؟ یاد رہے کہ یہاں مثالی صورت حال اور استثناء کی بات نہیں کی جا رہی، یہ دستیاب رویوں کا جائزہ لیا جا رہا ہے۔

شروعات میں جب میں نے یہ فرق محسوس کیا تو اس کا اظہار کرتے ہوئے یہ احساس دامن گیر تھا کہ شاید میرے نتائج فکر ناقص ہیں۔ لیکن بعد میں اسلام آباد کی علمی محافل میں، جب متعدد جید اہل علم وفکر کے ہاں اس بات پر عمومی اتفاق پایا تو تسلی ہوئی کہ یہ میرا نقص فہم نہیں، یہ اہل علم کا اجتماعی مشاہدہ ہے۔ اس کے بعد سے یہی سوال دامن گیر ہے کہ اس کی وجوہات کیا ہیں۔

دینی مدارس میں وقت گزارنے کا مجھے اتفاق نہیں ہوا، وہاں کے فارغ التحصیل طلباء اور علماء سے البتہ ایک تعلق رہا۔ جدید تعلیمی اداروں سے البتہ پڑھا بھی اور ملک کی بڑی جامعات میں پڑھانے کا اتفاق بھی ہوا۔ میں شرح صدر سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ جدید تعلیمی اداروں کے نوجوان، علمی ذوق، فکری افتاد طبع، مزاج کی سنجیدگی اور قومی امور پر سنجیدہ مباحث کے باب میں دینی مدارس کے طلباء سے بہت پیچھے ہیں۔ یہ انیس بیس کا فرق نہیں، بیچ میں کئی خندقیں حائل ہیں۔

ایک طرف جدید تعلیمی ادارے ہیں۔ وسائل کی بھی کوئی کمی نہیں اور ریاستی سرپرستی بھی وافر ہے۔ جدید اداروں کے مالی امکانات سے دینی مدارس کا کوئی مقابلہ ہی نہیں۔ بھاری بھرکم بجٹ ہیں جو ان جدید اداروں کو چلانے میں استعمال ہو رہے ہیں، ایکڑوں پر پھیلی اراضی ان کو سرکار نے دے رکھی ہے، انتہائی قابل اساتذہ انتہائی موزوں

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

معاوضے پر یہاں پڑھا رہے ہیں۔

دوسری جانب دینی مدارس ہیں، بجٹ موجود نہیں، عمارت بھی وہ خود ہی بناتے ہیں۔ کوئی سرکاری سرپرستی نہیں۔ اساتذہ کے معاوضے نہ ہونے کے برابر ہیں۔ شاید ایک شیخ الحدیث کو ملنے والی ماہانہ رقم سے زیادہ ایک یونیورسٹی کے چپڑاسی کی تنخواہ ہو۔ ان اساتذہ کا نہ میڈیکل ہے نہ پنشن۔ مکمل سوتیلے ماحول میں، روکھی سوکھی کھا کر یہ بروئے کار آتے ہیں۔

لیکن فرق اتنا ہے کہ ہمالیہ جیسا۔ جدید اداروں کے طلباء سے آپ کسی بھی سنجیدہ قومی معاملے پر بات کر کے دیکھ لیں، چند چیزیں نمایاں ہوں گی۔ اس کی معلومات نہ ہونے کے برابر ہوں گی۔ وہ تاریخ سے لاعلم ہوگا۔ وہ عصری سیاسی اور سماجی معاملات سے بھی لاتعلق ہوگا۔ وہ کسی معاملے پر سنجیدہ غور وفکر کی صلاحیت سے بھی محروم ہوگا۔ کسی سنجیدہ معاملے پر اسے بات کرنا پڑ جائے تو دو چار فقرے کہہ کر ہانپ جائے گا۔ نہ علم ہے، نہ طرزِ گفتگو کی خبر ہے، نہ بات کرنے کا سلیقہ ہے، نہ مزاج میں ٹھہراؤ ہے، نہ مطالعہ ہے، نہ کوئی ندرت خیال ہے۔ یہ قومی مسائل سے لاتعلق ایک ایسا وجود ہے جو پوری غیر سنجیدگی اور کھلنڈرے پن کے ساتھ کامل مادی جستجو میں ڈگری کے تعاقب میں بھٹک رہا ہے۔

کسی نے اس کے مزاج، افتادِ طبع اور اخلاقی پہلو کی تہذیب نہیں کی۔ اس کا عصری شعور دو چار فقروں پر مبنی چند اقوال زریں تک محدود ہے۔ اس کی اکثر معلومات واجبی، ناقص اور ادھوری ہیں۔ اس کی دنیا میں علم و فکر کا کوئی دخل نہیں۔ اس کا مزاج ایسا ہے یہ کسی مسئلے پر دو منٹ سے زیادہ بات نہیں کر سکتا۔ بات تو کیا اس دورانیے سے زیادہ یہ کسی معاملے پر سنجیدگی سے سوچ بھی نہیں سکتا۔ یہ پھٹ پڑے گا یا لڑ پڑے گا۔

اس کے برعکس دینی مدارس کے طلباء قومی امور کے بارے میں زیادہ غور وفکر کرتے پائے جاتے ہیں۔ اس کے ہاں کسی بھی معاملے پر اس کی سارے جہتوں کے ساتھ بات کرنے کا تحمل اور سلیقہ موجود ہے۔ وہ عصری سیاسی اور سماجی شعور میں زیادہ پختہ ہیں۔ وہ اپنی تہذیبی اور مذہبی روایات سے زیادہ آگہی رکھتے ہیں۔ ان میں تحمل کے ساتھ بات کرنے کا سلیقہ زیادہ ہے۔

ایک طبقہ وہ ہے جو ریاست اور اس کے وسائل کی سرپرستی میں آگے آ رہا ہے اور دوسرا وہ ہے جو اس سے محروم ہے۔ لیکن افتادِ طبع میں اتنا فرق ہے کہ آدمی حیران ہو جائے۔ سوال یہ ہے کہ اس کی وجہ کیا ہے؟

میں نے اس سوال پر بہت غور کیا ہے اور میرے خیال میں اس کی وجہ کتاب ہے۔ دینی مدارس کتاب سے جڑے ہیں۔ مطالعے کا ذوق آپ میں ٹھہراؤ پیدا کرتا ہے۔ کتاب پڑھنے کے لیے ایک ٹمپرامنٹ درکار ہوتا ہے جو مدارس

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

میں پروان چڑھ جاتا ہے۔کتاب آپ اٹھاتے ہیں اور پھر پڑھنا شروع کرتے ہیں اور یہ مطالہ کئی گھنٹوں اور بعض اوقات کئی دنوں تک محیط ہوتا ہے۔اس دوران آپ پڑھ بھی رہے ہوتے ہیں اور آپ کے لاشعور میں ایک فکری مشق بھی جاری ہوتی ہے۔آپ سوچتے ہیں سوالات اٹھتے ہیں اور اس سے ایک مزاج پروان چڑھتا ہے۔

دوسری جانب جدید تعلیمی ادارے ہیں۔یہاں کتاب کا عمل دخل کم ہوتا جا رہا ہے۔یہاں ٹک ٹاک ہے، یہاں یو ٹیوب ہے، یہاں ٹوئٹر ہے، یہاں جدید ذرائع ابلاغ ہیں،لیکن یہاں کتاب نہیں ہے۔نصاب کی کتاب بھی کم ہی پڑھی جاتی ہے،نوٹس سے کام چلایا جاتا ہے۔تہذیبی، مذہبی اور عصری بیانیے کا،الا ماشاءاللہ،کسی کو علم نہیں۔نتیجہ یہ ہے کہ ایک عام نوجوان، ایک ہی لمحے میں جست لگا کر نتیجہ نکالنا چاہتا ہے۔وہ ٹھہراؤ اور غور و فکر کا متحمل نہیں ہوسکتا۔وہ ایک فکری ہیجان کا شکار ہے۔وہ مطالعے سے دور ہو چکا ہے۔کتاب تو کیا اس کے لیے ایک مقالہ یا چند صفحات پڑھنا بھی مشکل ہو چکا ہے۔وہ مختصر سی پوسٹ سے آگے نہیں سوچ سکتا۔سنجیدہ بات ہو تو وہ ہانپ جاتا ہے۔

یہ کتاب ہے جو علمی رویے کو جنم دیتی ہے اور مزاج میں ٹھہراؤ اور سلیقہ پیدا کرتی ہے۔ٹک ٹاک اور دیگر تمام ذرائع اس ٹھہراؤ کے قائل نہیں۔چنانچہ عام نوجوان کے ارتکاز کا دورانیہ ایک منٹ ہے۔اس کے بعد وہ ڈی فوکس ہو جاتا ہے۔سوشل میڈیا کی اہمیت اپنی جگہ،لیکن سماج کے مزاج کی تہذیب ہوگی تو صرف کتاب سے ہوگی اور تحریر سے ہوگی۔ٹک ٹاک یا یوٹیوب سے نہیں ہوگی۔(بشکریہ: روزنامہ ''92 نیوز'')

دُنیا میں کسی کی بھی یکساں نہیں گذری

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اپنی سوانح حیات میں لکھتے ہیں:

۶۴۹۱ء کی ابتدا میں جب میں دارالعلوم سے ملازمت کا تعلق منقطع کر چکا تھا اور اپنے شوق سے بعض درجوں میں کچھ اسباق پڑھا دیا کرتا تھا معلوم نہیں کیا خیال پیدا ہوا کہ دارالعلوم کی مسجد سے متصل جو چھوٹا سا مکان تعمیر ہوا تھا اس میں میں نے بھائی صاحب سے ضابطہ کی اجازت لیکر رہنا شروع کر دیا اور والدہ صاحبہ اور گھر والوں کو لے آیا۔اس وقت معاش کا کوئی ذریعہ تھا نہ کتابوں کے معاوضہ اور نفع کا کوئی سلسلہ، یہ سال اقتصادی طور پر سخت پریشانی کا گذرا۔مجھے یاد ہے ایک مرتبہ امین آباد کے چوراہے پر نظیر آباد جانے والی سڑک کے کنارے کھڑے ہوکر میں نے جیب سے کئی مرتبہ گھڑی نکالی کہ اس کو کسی گھڑی کی دکان پر آدھے پونے دام پر بیچ دوں اس سے کچھ دن کام چلے لیکن پھر اس خیال سے ہمت نہیں ہوئی کہ دکان دار کہیں چوری کی نہ سمجھے۔یہ پورا سال پریشانی میں گذرا اور سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ بے برکتی کیوں ہے؟ ایک دن معلوم ہوا کہ بھائی صاحب میرے اس علیحدہ قیام پر بہت مغموم اور متاثر ہیں، ان کو بڑا قلق ہے کہ ان کی زندگی میں میں نے لکھنؤ میں رہتے ہوئے علیحدہ قیام کا انتظام کیا، میں نے ان سے رو کر معافی مانگی اور جب کہ تقریباً ایک سال گذر رہا تھا میں پھر اپنے اسی قدیم مکان میں آ گیا پھر یاد نہیں کبھی ایسی تنگی اور پریشانی پیش آئی ہو۔(کاروان زندگی)

شخصیت

ایک گمنام مردِ قلندر......مولانا انوار الاسلام

حافظ احمد مہدی

دین متین کی شمع روشن رکھنے میں بعض گمنام ہستیاں اوران کا کام خاص اہمیت رکھتا ہے۔ایسے اشخاص کو دینی کاموں،تحریکوں اوراداروں میں بنیاد کے پتھر کی حیثیت حاصل ہوتی ہے جونظرتونہیں آتے لیکن پوری عمارت انہی کے سہارے قائم ہوتی ہے۔میرے والد گرامی قدر مولانا انوار الاسلامؒ کا شمار بھی گمنامی کے باوجود مسلسل اور مؤثر دینی خدمات کے پیش نظر ایسے ہی حضرات میں کیا جاسکتا ہے۔

پیدائش اور تعلیم:...... والدگرامی درسمند تحصیل ٹل ضلع ہنگو کیا یک غریب گھرانے میں پیدا ہوئے۔ یہ 1959ء کا زمانہ تھا۔آباؤاجداد نے تلاش روزگار کے لیے اورکزئی ایجنسی سے درسمند ہجرت کی تھی۔آپ نے ابتدائی تعلیم کا آغاز اپنے والد ماجد حضرت مولانا سید احمد میوہ خان صاحبؒ[م:۲۰۰۳ء] فاضل دارالعلوم دیوبند سے کیا، جو اپنے علاقہ کے نامور عالم دین تھے۔آپ ملک کے مشہور عالم دین وفاضل دیوبند،محدث مولانا فضل محمد سواتیؒ [م:1996ء] شیخ الحدیث مظہر العلوم مینگورہ سوات کے ہم سبق تھے۔مولانا فضل محمد سواتیؒ دیوبند میں استاذ رہے، بعدازاں دارالعلوم کراچی اور جامعہ بنوری ٹاؤن میں بھی استاد رہے۔ایک بار ہمارے گھر تشریف لائے تھے،تو دادا جان کو دیکھ کر فرمایا کہ آپ وہی تیراہ ملا تونہیں جو ہمارے ساتھ دیوبند میں تھے،تو داداجان نے تصدیق کی، دادا جان کو دیوبند میں اپنے علاقہ کی نسبت سے ’تیراہ ملا‘ کہا جاتا تھا۔

والدگرامی نے قرآن کریم کے حفظ کی سعادت استاذ الحفاظ حافظ سید فضل مولا صاحبؒ[م:1984ء]صوابی سے حاصل کی۔تکمیل حفظ کے بعد درس نظامی پڑھنے کے لیے حافظ سید فضل مولیٰ نے آپ کو ملک کے معروف ومشہور قدیمی دینی درس گاہ جامعۃ العلوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی میں داخلہ لینے کے لیے بھیجا اور ساتھ استادِ جامعہ مفتی رضاء الحق صاحب (حال مفتی اعظم جنوبی افریقہ) کے نام سفارشی خط بھی دیا۔آپ خط میں لکھتے ہیں:

”برخوردارم رضاء الحق صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ علی الدوام

بعد از تسلیمات!......حافظ انوار الاسلام ہمارے خاص شاگردوں میں سے ہیں۔یہ ہمارے درس سے فارغ

ہو چکا ہے، آپ کے ساتھ بھی اس کی ملاقات ہو چکی ہے۔ یہ بڑا لائق، تابع دار، فرمانبردار اور ذہین ہے۔ چونکہ تکمیل حفظ قرآن مجید کے بعد اس کا ارادہ علم قرآن وحدیث حاصل کرنے کا ہے، لہذا میں ان کو آپ کے پاس بھیج رہا ہوں۔ تاکہ آپ ان کو اپنے مدرسہ میں داخلہ دلائیں۔ امید ہے داخلہ لینے میں آپ ان کی حتی المقدور ہر ممکن مدد کریں گے۔"

اس خط سے جہاں اساتذہ کرام کی آپ پر شفقت وتوجہ کا اندازہ ہوتا ہے، وہاں آپ کی شرافت وفرمانبرداری کا بھی پتہ چلتا ہے کہ ایک ہی استاد کی خدمت میں حفظ کی تکمیل کی اور پھر اس استاد نے جس در پر بیٹھنے بھیجا، اسی ایک جگہ بیٹھ کر آپ پڑھتے رہے یہاں تک کہ دستار فضیلت بندھی اور ۱۹۸۴ء آپ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن سے فارغ ہوئے۔

تزکیہ وسلوک اور تقویٰ وطہارت:

علوم ظاہری کے ساتھ ساتھ باطن کی تطہیر وتزکیہ کو بھی آپ نے کامل توجہ دی اور اور حضرت مولانا فضل محمد سواتی صاحبؒ [م:1996ء] سے بیعت کی۔ حضرت کی وفات کے بعد شیخ الحدیث مفتی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک مفتی محمد فرید صاحب [م:۲۰۱۱ء] سے بیعت ہوئے، مفتی صاحب کی وفات کے بعد حضرت مولانا محمود صندلی صاحبؒ [م:۶۱۰۲ء] کے ہاتھ پر بیعت کی اور تادم وفات آپ کے دامن فیض سے وابستہ رہے۔ مولانا سراج الیوم سواتی المعروف گڑھئی باباجی (م:1987ء) کے ہاں بھی روحانی استفادہ کے لیے آمد ورفت رہی۔ الحمدللہ سفر سلوک نے آپ میں اخلاص وللّٰہیت، تواضع وفروتنی اور ہمدردی وخیر خواہی کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا۔ بغیر نام ونمود اور شہرت کی طلب کے مساجد ومدارس کی آبادی کے لیے دن رات ایک کیے۔ کئی مساجد کی تعمیر میں حصہ لیا۔ ویران مساجد میں اپنے مدرسہ کے اساتذہ وطلبہ کو مقرر کر کے نمازوں اور اعمال کے ذریعے آباد کرنے کی سعی کرتے۔ خدمت خلق کا اللہ تعالیٰ نے خاص جذبہ عنایت کیا تھا۔ کئی نادار، یتیم بچوں اور فقیر لوگوں کے چولہے آپ کی برکت سے جلتے رہے۔ آپ نے علاقہ کے اکثر نادار اور مسکین افراد کی فہرستیں بنائی تھیں اور ان کے لیے موقع بہ موقع راشن اور ضروریات زندگی کی فراہمی کا بندوبست کرتے تھے۔ مدرسہ کے اساتذہ اور طلبہ کی ضرورت کو ہر چیز پر مقدم رکھتے اور ان کی خدمت میں کوئی دَقیقہ فروگزاشت نہیں ہونے دیتے۔

سنت کے شیدائی تھے۔ علاقہ میں بدعات ورسومات کے استیصال سے بڑی کاوشیں کیں، بالخصوص ایسی بدعات جن کی وجہ سے عبادات کی روح رخصت ہو کر رسمی ڈھانچے باقی رہ گئے تھے۔ ترویج سنت اور تردید بدعت میں آپ کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، تاہم آپ استقامت سے اپنے کام میں لگے رہے اور کبھی کسی لومۃ لائم کی پروا نہیں کی۔

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

آپ نے ذوق عبادت ودعا بھی خوب پایا تھا، تلاوت وذکر واذکار کا دائمی معمول تھا، ہماری والدہ صاحبہ فرماتی ہیں کہ آپ لوگوں کے والد کے ساتھ میرا بائیس سال کا ساتھ رہا، اس عرصہ میں کبھی ان کی تہجد کی نماز چھوٹی ہو یا اس معمول میں سردی وگرمی اور صحت وبیماری سے کوئی تعطل آیا ہو مجھے یاد نہیں۔ حج وعمرہ کا بھی حددرجہ شوق تھا، آپ نے عمرہ کے کئی اسفار کیے۔ میرے استفسار پر ایک دفعہ بتایا کہ میں نے 9 حج کیے ہیں۔

صبر واستقامت، جہد مسلسل، برداشت وتحمل، عاجزی وفروتنی، ظرافت وخوش طبعی کے باوجود فضول گوئی سے احتراز آپ کے خصوصی اوصاف تھے۔ علاقہ میں امن وامان کے قیام کے نہ صرف داعی تھے بلکہ اس کے لیے ہمہ تن کوششوں میں مصروف رہتے، آپ کی مساعی سے علاقہ کے کئی تنازعات بصورت جرگہ حل ہوئے۔ اگر یوں کہا جائے کہ اصلاح بین المسلمین آپ کی زندگی کے مہم مقاصد میں سے تھا تو بیجا نہ ہوگا۔

اساتذہ کرام:

آپ نے دوران تعلیم جامعہ بنوری ٹاؤن کے کبار اساطین علم مثلاً مفتی اعظم پاکستان مفتی ولی حسن ٹونکیؒ [م:1995ء]، حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ [م:1989ء]، مولانا بدیع الزمانؒ، مولانا مفتی احمد الرحمانؒ [م:1991]، مولانا حبیب اللہ مختارؒ [م:1997ء] اور مفتی اعظم افریقہ مفتی رضاء الحق مدظلہ سے بھرپور استفادہ کیا، لیکن خصوصی تربیت اپنے ضلع کے بزرگ عالم دین، محدث کبیر، مہتمم جامعہ یوسفیہ ہنگو مولانا محمد امین اورکزئی شہیدؒ [م:2009ء] نے کی۔ جو اس زمانے میں جامعہ کے استاد اور شعبہ دعوت وتحقیق کے رکن تھے۔ جامعہ بنوری ٹاؤن میں مفتی رضاء الحق صاحب کے خادم خاص تھے، حتیٰ کہ سلسلہ خدمت میں استاد کے ساتھ ہی کمرے میں اقامت رکھتے تھے۔ اسی طرح مولانا محمد امین اورکزئی شہیدؒ کے بھی خادم رہے۔ فراغت کے بعد آپ مدینہ منورہ چلے گئے اور ایک سال وہاں مختلف اہل علم سے تخصص فی الافتاء کی مشق کی اور حضرت مفتی محمد عاشق الٰہی صاحبؒ [م:۲۰۰۲ء] سے بھی استفادہ کیا۔ آپ حضرت مفتی عاشق الٰہیؒ کا رمضان المبارک میں قرآن پاک بھی سنتے رہے۔ حضرت مفتی صاحب کی اتنی محبت تھی کہ آپ کو اپنا بیٹا کہتے تھے اور قرآن مجید سننے کی وجہ سے حضرت فرماتے تھے کہ میں تو آپ کا استاد ہوں ہی، لیکن آپ بھی میرے استاد ہو۔ اسی طرح مولانا عبداللہ شہیدؒ خطیب لال مسجد اسلام آباد سے بھی قریبی تعلق تھا اور انہیں ہمیشہ اساتذہ کے مرتبہ میں رکھتے تھے، ان کے ساتھ بیرونی اسفار کی رفاقت بھی میسر آئی، حضرت شہیدؒ کا والد صاحب سے گھریلو تعلق تھا اور حضرت نے بھی والد گرامی کو منہ بولا بیٹا بنایا ہوا تھا۔ اساتذہ میں مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہیدؒ سے بطور خاص محبت تھی، ان کی شہادت کے بعد ہمیشہ حسرت وڈبڈباتی آنکھوں سے ان کا تذکرہ فرماتے تھے۔ مولانا امین اورکزئیؒ سے بطور خاص عشق سا تعلق تھا اور حضرت کی شہادت کے بعد اکثر

روتے جاتے تھے۔

آپ اساتذہ کے لاڈلے تھے۔ طبعی ظرافت کے باعث اساتذہ کرام آپ کی باتوں سے محظوظ ہوتے۔ بالخصوص مولانا محمد امین اورکزئی شہیدؒ کو اگر کوئی ذہنی کوفت و پریشانی ہوتی تو آپ کو بلاتے، اکثر والد گرامی جا کر حضرت شہیدؒ کو ہمارے گھر لے آتے، والد صاحب کی خوش طبعی اور ظریفانہ چٹکلوں سے حضرت شہیدؒ اتنے محظوظ ہوتے کہ ساری ذہنی تھکاوٹ اور پریشانی کافور ہو جاتی۔ جب آپ کے اکابر اساتذہ یا علاقہ کے اکابر بالخصوص مفتی مختار الدین صاحب، مولانا محمد امیر بجلی گھرؒ [م: 2012ء]، مولانا حسن جان مدنیؒ (م: 2007ء) یا مولانا فضل محمد سواتیؒ کے ساتھ مجلس ہوتی تو سنجیدہ گفتگو میں بھی ایسے ظریفانہ جملے کہہ دیتے کہ مجلس کشت زعفران ہو جاتی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اساتذہ کی خدمت کا خاص ذوق بخشا تھا، جامعہ بنوری ٹاؤن کے قیام میں مختلف اکابر کی خدمت کی۔ مولانا محمد اعظم طارق شہیدؒ [م: ۲۰۰۳ء]، مولانا عبدالعزیز صاحب خطیب لال مسجد، مولانا غلام مرتضیٰ صاحب چکوال، مولانا فہیم اشرف صاحب استاذ دارالعلوم کراچی، مولانا امداداللہ صاحب ناظم تعلیمات جامعہ بنوری ٹاؤن، مولانا مفتی عاصم ذکیؒ [م: 2020ء] استاد جامعہ بنوری ٹاؤن آپ کے ہم درس ساتھی تھے۔

درس و تدریس اور جامعہ بنوریہ کا قیام:

مدینہ طیبہ سے واپسی کے بعد آپ نے دو سال جامعہ یوسفیہ ہنگو میں پڑھایا، اس دوران آپ نے ایک خواب دیکھا کہ مولانا محمد یوسف بنوریؒ [م: ۱۹۷۷ء] نے مجھے ایک درخت کی شاخ دی اور اس کو زمین میں بونے کی ہدایت کی، آپ نے یہ خواب اپنے مشائخ سے بیان کیا۔ شیخ الحدیث مولانا فضل محمد سواتی صاحبؒ نے اس کی تعبیر یوں بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعے دینی خدمات کا ایک باب کھولے گا۔ اسی سے مدرسہ بنانے کی طرف رجحان ہوا جو حضرت بنوریؒ کے نام نامی سے منسوب ہو۔ مولانا معزالحق صاحب ہزارویؒ [2009ء] تلمیذ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ و شیخ الحدیث دارالعلوم عربیہ ٹل، مولانا عبدالجبار صاحب طوراوڑی ہنگو اور مولانا محمد امین اورکزئی شہیدؒ نے بھی مدرسہ کے قیام کے بارے میں مشورہ دیا۔ ان اکابر سے مشاورت کے بعد آپ نے ۱۹۷۸ء میں جامعہ بنوریہ درسمند ہنگو کی بنیاد رکھی، مدرسہ کا آغاز ایک مسجد میں کیا گیا، والد صاحب خود پڑھاتے بھی تھے اور اہتمام کی ذمہ داری بھی آپ کے کندھوں پر تھی۔ خود اپنے ہاتھ سے طلبہ کی خدمت کرتے تھے۔ ہماری والدہ مکرمہ جو الحمدللہ حیات ہیں طلبہ کا کھانا خود بناتی تھیں۔ اس دوران والدہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم، حضرات شیخین، حضرت عثمان اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی خواب میں زیارت ہوئی، جو مہمانان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کا ایک ثمرہ تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ مستقل تعمیر کا بندوبست ہوتا گیا۔ دیہاتی علاقہ ہونے کے باعث آغاز میں کئی مشکلات تھیں

لیکن رفتہ رفتہ حالات موافق ہوتے گئے اور ایک سال کے بعد جامعہ بنوریہ جدید جگہ پر منتقل ہوگیا اور موقوف علیہ تک اسباق جاری ہوئے، والد گرامیؒ اس زمانہ میں اکثر مشکوٰۃ شریف اور تفسیر کا درس دیا کرتے تھے۔ بحمد اللہ اب بھی جامعہ اپنے علاقہ کے معروف مدارس میں شمار ہوتا ہے اور آپ کے لیے بطور صدقہ جاریہ قائم ودائم ہے۔ ۲۰۰۷ء میں آپ نے افغان کالونی پشاور میں مدرسہ سیدہ سمیہ للبنات کی بنیاد رکھی۔ جس میں الحمد للہ اب تین سو کے قریب بچیاں زیر تعلیم ہیں، مکمل اسباق جاری ہیں۔ اس ادارے کی ذمہ داری بندہ کے ناتواں کندھوں پر ہے جبکہ سرپرستی والد گرامی کے رفیق حضرت مولانا قاری اسد اللہ صاحب مہتمم جامعہ احیاء العلوم مردان فرماتے ہیں۔ جبکہ جامعہ بنوریہ کا اہتمام فی الوقت والد گرامی کے رفقاء نے سنبھال رکھا ہے۔ والد گرامیؒ نے حج وعمرہ کے ساتھ دینی تبلیغ اور مساعی کے لیے قطر، یمن، دبئی، عراق اور کویت کے سفر بھی کیے۔

اولاد:

ہم الحمد للہ پانچ بھائی اور تین بہنیں ہیں اور سب بہن بھائی ہیں۔ بندہ نے والد گرامیؒ کی برکت سے حفظ قرآن مجید اور درس نظامی کی تکمیل کی۔ دوسرا بھائی حافظِ قرآن محمد طٰحہؒ امریکی یلغار کے خلاف افغانستان کے کوہساروں میں شہید ہوا۔ تیسرا بھائی انجینئر ہے جبکہ دو چھوٹے بھائی طالب علم ہیں۔ دو بہنیں عالمہ فاضلہ ہیں جبکہ ایک تا حال طالبہ ہے۔ الحمد للہ ساری اولاد ہی اپنے مشاغل کے باعث والد گرامی کے لیے سرمایۂ آخرت ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

وفات:

والد گرامیؒ کو کالے یرقان کی تکلیف تھی، اسی مرض کی شدت میں رمضان المبارک ۱۶ ستمبر ۲۰۰۹ کو اس دار فانی سے انتقال فرمایا، مرض الموت کی شدت میں اکثر کہتے تھے کہ مجھے حضرت استاد صاحب یعنی مولانا محمد امین اورکزئیؒ بلا رہے ہیں۔ آخری ایام میں ذکر لسانی اس تیزی وتسلسل سے جاری تھا کہ اللہ اللہ کے سوا کوئی لفظ زبان سے نہیں نکلتا تھا، ساتھ ذکر کرنے والا تھک جاتا تھا لیکن آپ کی زبان پر تسلسل نہیں ٹوٹتا تھا، ڈاکٹر بھی اس کیفیت سے کافی حیران تھے۔ بالآخر کلمہ طیبہ مکمل کرکے جان جان آفریں کے سپرد کی۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ آپ جامعہ بنوریہ درسمند ہنگو میں مدفون ہیں۔ مفتی مختار الدین صاحب نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔ علاقہ اور گردو پیش کے ہزاروں لوگ نماز جنازہ میں شریک تھے۔

☆......☆......☆

☆......تبصرہ کے لیے دو کتابیں بھیجنا لازمی ہے

☆......کتابیں مرکزی دفتر وفاق بھجوایئے

☆......تبصرہ نگار اور ادارے کا کتاب کے مندجات سے مکمل اتفاق لازمی نہیں

فہم القرآن (۳ جلد)

مترجم ومفسر: مولانا مفتی محمد طاہر مسعود صاحب۔ طباعت: اعلیٰ: قیمت: لکھی نہیں۔ ملنے کا پتا: خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ مجددیہ کندیاں ضلع میانوالی۔

الحمدللہ خدمتِ حدیث کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کی خدمت کا ذوق بھی روز افزوں ہے۔ پچھلے چند برسوں میں قرآن مجید کے سلیس ترجمے کے متعدد عمدہ نمونے سامنے آئے ہیں۔ انہی میں ایک یہ تازہ ترین کاوش ہے۔ اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ زمانہ جوں جوں آگے بڑھ رہا ہے اردو دان طبقے کے مناسب حال قرآن مجید کے سلیس اور بامحاورہ ترجمہ کی ضرورت بڑھتی چلی جارہی ہے۔ خصوصاً نوجوان نسل کے لیے تو اس سلسلے میں کافی زیادہ ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے حضرت مولانا مفتی محمد طاہر مسعود صاحب کو کہ انہوں نے اپنی گونا گوں مصروفیات کے ساتھ اس میدان میں بھی اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا ہے۔ آپ جامعہ مفتاح العلوم سرگودھا کے مہتمم، شیخ الحدیث اور وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی مجلس عاملہ کے رکن ہیں۔ ان حیثیات سے آنجناب کے علمی مقام کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

ترجمہ قرآن کے مبارک کام کے سلسلے میں آپ اپنے پیش لفظ میں لکھتے ہیں کہ: (والد صاحب کی وفات کے بعد) حضرت والد صاحبؒ کے معمول کے اتباع میں بندہ کو تراویح کے بعد درس قرآن کی سعادت حاصل ہوئی۔ درس کا دورانیہ گو مختصر ہوتا تھا مگر اس کے مطالعہ کے لیے کافی وقت صرف کرنا پڑتا تھا۔ دل میں بار بار یہ خواہش پیدا ہوتی کہ اردو زبان میں نئے اسلوب اور بالکل عام فہم انداز میں مختصر اور جامع تفسیر ہونی چاہیے۔ جس سے کم فرصت لوگوں کے لیے قرآن کریم کا سمجھنا آسان ہو اور وہ تھوڑے وقت میں پوری سورت کے خلاصہ اور قرآن کریم کے مفہوم کو بآسانی سمجھ جائیں۔ مولانا مفتی محمد طاہر مسعود صاحب زید مجدہم نے اس کام کا آغاز ۱۴۲۹ھ میں کیا اور ۳۰ رمضان المبارک ۱۴۳۹ھ میں اس کی تکمیل ہوئی۔ اس کام کے دوران تمام معتبر تراجم پیش نظر رہے۔ اور اس بات کی پوری کوشش کی گئی کہ اکابر رحمہم اللہ کے تراجم، لفظ قرآنی، جدید اردو اسلوب اور محاورے کی پوری پوری

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

رعایت کی جائے۔

بامحاورہ ترجمہ کے لیے لغات کا سہارا بھی لینا پڑا۔ ترتیب یوں رہی کہ ہر لفظ کا لفظی ترجمہ الگ لکھا گیا ہے، اور اس کے نیچے بامحاورہ ترجمہ الگ لکھا ہے۔ تفسیری حواشی میں صرف اس قدر کلام کیا گیا ہے کہ ترجمہ پڑھنے والے کو کلام اللہ کا مفہوم اور مراد باری تعالیٰ درست طور پر سمجھ آ جائے، کہیں کہیں بقدرِ ضرورت تفصیلی حواشی بھی لکھے گئے ہیں۔ یوں ایک شاندار مجموعہ تیار ہو گیا ہے۔ آغاز میں جب اس لفظ اور بامحاورہ ترجمے کا متعدبہ کام ہو چکا تھا تو حضرت اقدس مولانا خواجہ خان محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ جناب مترجم کے بقول حضرت خواجہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف اس کا مطالعہ فرمایا بلکہ وقیع مقدمہ بھی تحریر فرمایا۔ یہ مقدمہ ترجمہ قرآن کے ساتھ شامل ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم اور حضرت مولانا خواجہ خلیل احمد مدظلہم کی تقریظات بھی شامل ہیں۔ تینوں جلدوں کے کل صفحات ۲۲۸۷ ہیں۔ طباعت نہایت شاندار اور دو رنگ میں ہے، آیات کا فونٹ جلی ہے، ترجمہ و حواشی بھی جلی انداز میں سیٹ کیے گئے ہیں، جس سے تلاوت و مطالعے میں بہت آسانی نظر آتی ہے۔ ریگزین کی مضبوط جلد ہے جو اس مجموعے کی حفاظت کی ضامن ہے۔ یہ ترجمہ قرآن علماء، خطباء، مبلغین، واعظین اور عامۃ الناس کے لیے یکساں طور پر مفید ہے۔

تعلیم العقائد (حصہ دوم)

تالیف: مولانا مفتی طاہر محمود سبحان۔ صفحات ۱۹۷۔ طباعت: مناسب۔ ملنے کا پتا: عارفی پبلشرز جامعہ اشرف العلوم بیت المکرّم کراچی 0334556288

مولانا مفتی طاہر محمود سبحان مدظلہم جید استاذ ہیں۔ ''تعلیم العقائد'' ان کی ایسی تالیف ہے جو دورِ حاضر کے متعدد گروہوں کے عقائد و افکار کا جائزہ بھی پیش کرتی ہے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ عقائد کے باب میں نئے سے نئے خیالات و افکار اور نظریات امت میں پنپ رہے ہیں۔ ہر دور کے علماء نے اپنے دور میں جڑ پکڑ جانے والے غلط عقائد و نظریات کا قرآن و حدیث اور اصول و فقہ کی روشنی میں جائزہ لے کر ان کی صحت و غلطی کو واضح کیا ہے۔ یہ کتاب بھی اسی نوعیت کی۔ اس کتاب کی پہلی جلد ہمارے سامنے نہیں صرف دوسری جلد پیش نظر ہے۔ اس جلد میں دین میں اختلاف کی اقسام، اسبابِ تفرقہ و اختلاف، فتنۂ انکارِ حدیث، اجماع کی حجیت کا انکار، اسلامی فرقوں کی مختصر تاریخ، اور اہل السنۃ والجماعۃ کے اصولی عقائد، عناصرِ ترکیب اور مسلکِ اہلِ سنت خصوصاً مسلکِ علماء دیوبند کو خوب واضح کیا ہے۔ یہ کتاب ابتدائی درجات کے طلبہ کے لیے کافی مفید معلوم ہوتی ہے۔

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

اَبی ومرشدی

مرتب: محترمہ زکیہ طورو صاحبہ۔ صفحات: ۱۴۰۔ قیمت: لکھی نہیں: ملنے کا پتا: ڈاکٹر سید منہاج الحق۔ 0333-5057383

''ابی ومرشدی'' مولانا سید محمد امین الحق رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات ہے۔ آپ دارالعلوم دیوبند کے فاضل تھے، اور امام العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے، جب کہ شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز تھے۔ آپ کی علمی حیثیت مسلم تھی۔ حجیت حدیث اور منکرین حدیث کے مغالطوں کے جواب میں آپ کی کتاب ''بصائر السنۃ'' اب تک اہل علم میں متداول ہے۔ ''ابی ومرشدی'' میں ان کی صاحبزادی محترمہ زکیہ طورو صاحبہ نے مولانا سید امین الحق رحمۃ اللہ علیہ کی علمی، دینی روحانی اور ملی خدمات کا بخوبی احاطہ کیا ہے۔ کتاب کا انداز دلکش واسلوب تحریر شستہ ہے۔ آغاز میں مولانا ڈاکٹر فیوض الرحمٰن صاحب کا گراں قدر مقدمہ بھی شامل اشاعت ہے۔

دعوت وتبلیغ کرکٹ کے میدانوں میں

تالیف: مفتی حامد محمود راجا۔ صفحات 439۔ طباعت: مناسب۔ قیمت 800 روپے، رابطہ نمبر 0301-4421157

حضرت جی مولانا محمد الیاس دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی برپا کردہ دعوت وتبلیغ کی محنت نے انسانی معاشرے کے تمام طبقات میں اپنے انمٹ نقوش اور گراں قدر اثرات چھوڑے ہیں، انہی طبقات میں ایک کرکٹرز کا طبقہ بھی ہے۔ اس تبلیغی محنت کا نتیجہ ہے کہ بین الاقوامی میچز کے دوران جب کھلاڑی کرکٹ کے میدان میں باجماعت نماز ادا کرتے ہیں تو یہ ایک روح پرور نظارہ ہوتا ہے۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ لبرل طبقہ کرکٹ ٹیم کو ''تبلیغی جماعت'' کہنے لگا ہے۔ یہ بہت خوشگوار اور خوش آیند تبدیلی ہے۔ اس تبدیلی نے دیگر عوامی طبقات پر بھی مثبت اثرات ڈالے ہیں۔

زیر نظر کتاب ''دعوت وتبلیغ کرکٹ کے میدانوں میں'' اسی تبدیلی کا جامع احاطہ کرتی ہے۔ اس میں مختلف مشہور کرکٹرز کے انٹرویوز شامل ہیں۔ نیز اسی حوالے سے متعدد مضامین بھی جمع کیے گئے ہیں۔ کتاب کے کل چار حصے ہیں:

حصہ اول: تبلیغی جماعت کا آغاز وارتقاء۔ **حصہ دوم**: کرکٹرز......تبلیغی جماعت میں۔ **حصہ سوم**: کرکٹرز کی دین داری پر اعتراض کیوں؟۔ **حصہ چہارم**: کرکٹ ملی وملکی نقطہ نظر سے۔ مجموعی طور پر کتاب لائق مطالعہ ہے۔

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

محسن عالمین صلی اللہ علیہ وسلم

مرتب: عبدالاحد حقانی۔صفحات: 208۔طباعت: عمدہ۔ قیمت: 500 روپے۔ ملنے کا پتا: مکتبہ امام اہل سنت جامع مسجد شیرانوالہ باغ گوجرانوالہ 03066426001

جناب عبدالاحد حقانی صاحب علماء لدھیانہ کے اس علمی خانوادے سے تعلق رکھتے ہیں جس نے اولین طور پر عقیدہ ختم نبوت اور رد قادیانیت کا فریضہ انجام دیا۔عبدالاحد حقانی صاحب کا اپنا موضوع سیرت طیبہ پر تحقیق کا رہا ہے۔ زیر نظر کتاب بنیادی طور پر سیرت ہی کے موضوع پر مشتمل ہے۔ ''محسن عالمین صلی اللہ علیہ وسلم'' تین حصوں پر مشتمل ہے، جس کے پہلے حصے میں مضامین سیرت ہیں۔ حصہ دوم عدل نامہ رسول (منظوم نثریہ کلام) ہے۔ حصہ سوم میں سیرت طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے اہم تاریخی دستاویزات، معاہدات، میثاق مدینہ، صلح حدیبیہ، معاہدۂ نجران، خطبہ حجۃ الوداع کے متون وتراجم شامل ہیں۔ اہل علم وتحقیق کے لیے یہ کتاب قابل اعتناء ہے۔ آغاز میں حضرت مولانا زاہد الراشدی، پروفیسر ڈاکٹر قبلہ ایاز، ڈاکٹر خورشید رضوی اور دیگر اہل علم کے تاثرات شامل ہیں۔

تربیتی بیانات

جمع وترتیب: مولانا محمد حنیف بن عبدالمجید/ مولانا عبداللہ بن مسعود۔ صفحات 192۔ طباعت: عمدہ۔ ملنے کا پتا: بیت العلم، فائزہ ٹیرس، نزد مقدس مسجد کراچی۔03222583198

''ادارہ بیت العلم'' تعلیم وتربیت اور تعلیمی نصابی کتب کے حوالے سے معروف ہے۔ زیر نظر کتاب ''تربیتی بیانات'' بھی اسی نوعیت کی ہے۔ جس میں بنیادی طور پر مساجد ومدارس، اسکول وکالجز اور کوچنگ سینٹرز میں اخلاقی معاشرتی موضوعات پر لیکچر اور بیان کے لیے مواد جمع کیا گیا ہے۔ انداز جدت طراز ہے۔ کتاب میں کل سات بیان شامل ہیں۔ موضوعاتی ترتیب میں...... ''اخلاص اور رضائے الٰہی کی نیت''، ''عمل اور محنت''، ''بچوں کی تربیت''، ''زبان کی حفاظت''، ''حرام مال سے بچیں''، ''رشتہ داروں کے حقوق ادا کریں''، ''غیبت کے نقصانات'' شامل ہیں۔ موضوعات اگرچہ نئے نہیں ہیں مگر پیشکش کا انداز منفرد ہے جس سے یہ مجموعہ نافع ہو گیا ہے۔ صفحہ نمبر ۱۵۲، ۱۵۳ میں حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین خط کتابت کا جو نمونہ پیش کیا گیا ہے اس کی یہاں چنداں ضرورت نہیں تھی، یہ تاریخی روایات ہیں۔ ان پر کلی اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے تذکرے کے حوالے سے نہایت احتیاط کی ضرورت ہے۔

وفاق المدارس العربیہ پاکستان